ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
25 تا 31 اکتوبر 2007ء/11 تا 17 شوال 1428ھ
www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی

اس شمارے میں

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مغربی یلغار کا اصل ہدف اسلام ہے
برین واشنگ کا شکار کون؟
ربّ ذوالجلال سے مفاہمت کیجیے!
دینی حلقوں میں مداہنت کا رجحان
مغربی دنیا اور ترکی کی اسلامی تحریک
بیروت سے بتوں تک
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں
عالم اسلام

صلح اور جنگ، کس سے؟

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام کی حالت دگرگوں نظر آتی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر والحاد، خدا اور رسول سے بغاوت اور فحاشی وعیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہے۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے۔ اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق، مروّت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صَرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء وجوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطۂ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صَرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ع ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو۔ سیاستِ ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآنِ حکیم نے جہاں عفو ودرگزر، حلم وبردباری کی تلقین کی تھی، وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ فالی اللّٰہ المشتکیٰ وانّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون

وحدتِ اُمّت
مولانا مفتی محمد شفیع

سورۃ الانعام

(آیات 46تا51)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝﴾

’’(ان کافروں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھو، ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔ کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا؟ اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو، پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُنہیں عذاب ہوگا۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے۔ کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ اور جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر کیے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ) اُس کے سوا نہ تو اُن کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ان کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کردو، تاکہ پرہیزگار بنیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت کا احساس دلانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ ان سے پوچھئے کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر ثبت کر دے تو اللہ کے سوا کون سا الٰہ ہے جو دوبارہ تمہیں یہ صلاحیتیں لوٹا دے۔ دیکھئے، ہم کس طرح اپنی آیات کو مختلف اسالیب اور انداز میں لا رہے ہیں ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں مگر پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ دیکھو، اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک آ جائے یا اُس کے لئے کچھ مقرر وقت بتا دیا جائے تو ہلاک تو وہی ہوں گے جو ظلم اختیار کئے ہوئے ہیں۔

یہاں انبیاء ورسل کی بنیادی ذمہ داری بتائی جا رہی ہے یعنی وہ اہل حق کو بشارت دینے والے ہیں اور اہل باطل کو خبردار کرنے والے ہیں۔ انبیاء کی دعوت کے نتیجہ میں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنی اصلاح کر لی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ان پر عذاب مسلط ہو کر رہے گا کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کئے رکھی۔

اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیجئے، میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں۔ تم ہی مجھ سے کہتے ہو یہ دکھاؤ، وہ دکھاؤ۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ یہ میرا اختیار ہے۔ مطالبہ تو کسی شخص کے دعویٰ کے مطابق کیا جانا چاہیے۔ میں نے کب الوہیت میں داخل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، انسان ہوں، بشر ہوں۔ ہاں مجھ پر وحی آتی ہے اور مجھے مامور کیا گیا ہے کہ میں تمہیں آنے والے خطرات سے خبردار کر دوں۔ نہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ کبھی میں نے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اتباع کر رہا ہوں اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جا رہی ہے۔ کہہ دیجئے کہ کیا بینا اور نابینا برابر ہو جائیں گے؟ کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟

اے نبی ﷺ اس قرآن کے ذریعے خبردار کیجئے۔ آپ کا کام انذار اور تبشیر ہے۔ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو خبردار کیجئے جنہیں واقعتاً کچھ خوف ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف لے جائے جائیں گے۔ ان میں بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو بعث بعد الموت کے منکر نہ تھے، البتہ وہ یہ کہتے تھے کہ قیامت کو اٹھیں گے اور اپنے رب کے ہاں حاضر ہوں گے لیکن وہاں ہمارے چھڑانے والے موجود ہوں گے وہ ہمیں بچا لیں گے۔ مگر اُن کی یہ بات نری غلط فہمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا حمایتی ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا، ان کو چاہیے کہ ان مغالطوں کو رفع کر لیں، شاید کہ اُن میں تقویٰ پیدا ہو جائے اور وہ ڈرنے لگیں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

شوال کے چھ روزوں کی فضیلت

عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوایوب انصاری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے رمضان کے روزے رکھ کر اس کے پیچھے شوال کے چھ روزے رکھ لئے، تو گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھ لئے!‘‘

تشریح: اس کا حساب یوں سمجھئے کہ تیس روزے آپ نے رمضان کے رکھے اور چھ شوال میں رکھے، کل 36 روزے ہو گئے ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے۔ اس حساب سے 36 کا دس گنا 360 ہو گیا، سال بھر میں 5 دن کے روزے حرام ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مہمانی کے دن ہیں۔ یعنی یکم شوال اور 10 تا 13 ذی الحجہ۔ یہ پانچ نکال دیں تو سال کے دن 360 ہوئے پس جس نے 30+6=36 روزے رکھ لئے گویا اُس نے پورا سال روزے رکھے۔ شوال کے یہ روزے آپ لگاتار بھی رکھ سکتے ہیں، اور ایک ایک دو دو کر کے بھی مگر شوال کے مہینے میں رکھنے ضروری ہیں (بعد میں رکھنے سے یہ ثواب نہ ملے گا!)

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

ازل سے انسانی خون کا بہنا اور قتل و غارت کوئی غیر معمولی یا انہونی بات نہیں۔ ایسا ذاتی دشمنی میں بھی ہوا، قبائلی عصبیت کی بنا پر بھی لڑائیاں ہوئیں، کشور کشائی کے لیے بھی جنگ و جدل ہوا اور نظریاتی بنیادوں پر بھی معرکہ آرائی ہوئی۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ جان ہو نہ پہچان، دوستی ہو نہ دشمنی، تعلق ہو نہ واسطہ اور نہ ہی جاگیر یا وراثت کی تقسیم کا مسئلہ ہو، پھر بھی انسانی لاشوں کے پشتے لگ جائیں۔ یہ ہمارے لیے بالکل ناقابل فہم ہے۔ بہر حال کراچی کی سڑکوں کو پھر بے گناہ لوگوں کے خون سے غسل دیا گیا ہے۔ کراچی کے در و دیوار پر انسانی گوشت کے لوتھڑے پھر چسپاں کیے گئے ہیں۔ کراچی کی فضاؤں میں مضروب کی چیخ و پکار اور ورثا کی آہ و بکا پھر گشت کر رہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں زندگی پھر ہار گئی ہے اور درندگی ایک مرتبہ پھر جیت گئی ہے۔ کراچی میں خون کی ہولی کھیلنے والوں کے یقیناً سیاسی عزائم ہوں گے لیکن کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایک لیڈی لیڈر یا چند سیاسی چغادر تو لوہے کے قلعہ میں بند ہوں گے اور اُس کے اوپر والے حصہ پر بلٹ پروف شیشہ کی دیواریں چُن دی جائیں گی، جبکہ ہماری اِس ظالمانہ کارروائی سے بے موت مارے جائیں گے۔ راہ گیر یا بی بی کے پرستار جو بہر حال عوام میں سے ہیں اُن کا صرف اتنا قصور ہے کہ آپ کی ناپسندیدہ شخصیت کو وہ پاکستان کی نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ سیاسی اختلاف کا سب کو حق حاصل ہے، لیکن کیا سیاسی اختلاف کی بنیاد پر معصوم بچے یتیم کیے جانے چاہئیں۔ کیا ماؤں کی گودیں ویران کر دینی چاہئیں اور کیا سہاگنوں کے سر بے تاج ہو جانے چاہئیں اور بوڑھوں کی لاٹھی ٹکڑے ٹکڑے کر دینی چاہیے۔ جبکہ آپ کے اصل دشمن کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ کیا اِن لوگوں نے قرآن کا یہ واضح اعلان نہیں سن رکھا تھا کہ جس کسی نے شرعی بنیاد کے بغیر کسی ایک انسان کو قتل کیا گویا وہ کل انسانیت کا قاتل ہے۔ یہ ظالمانہ کارروائی کس نے کی؟ یہ اللہ جانتا ہے یا وہ جو اِس سازش میں ملوث ہیں، ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ حتمی رائے بھی نہیں دے سکتے۔ البتہ یہ جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ یہ کارروائی کرنے کے کس کس کے امکانات ہیں۔

تحقیق و تفتیش ہمیشہ دو پہلوؤں سے کی جاتی ہے۔ ایک یہ کہ کون کون سی قوتیں اتنا زور دار دھماکہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اِس واردات کے فوائد اور ثمرات کس کو ملیں گے۔ ہماری رائے میں چار قوتیں اتنا بڑا دھماکہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ (1) وہ دشمن ممالک جو پاکستان کو سیاسی عدم استحکام سے دوچار کرنا چاہتے ہیں، اُن کی ایجنسیاں جیسے را، موساد، اور سی آئی اے وغیرہ (2) مقامی ایجنسیاں حکومتی رضامندی سے اور حکومتی رضامندی کے بغیر بھی دھماکہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں (3) علاقے کی غالب سیاسی قوت (4) اسلامی عسکریت پسند۔ یہ قوتیں کیا فوائد حاصل کرنے کی خواہش مند ہو سکتی ہیں؟ جہاں تک غیر ملکی ایجنسیوں کا تعلق ہے، ظاہر ہے پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور انتشار اُن کے مقاصد کے حصول کے لیے بہترین مواقع پیدا کرے گا اور اگر پاکستان میں عنانِ حکومت ایک فوجی کے ہاتھ میں ہو تو اُن کے لیے آئیڈیل صورتِ حال ہے کہ وہ سیاسی قوتوں اور فوج کے درمیان خلیج پیدا کر سکیں۔

عوامی سطح پر سب سے زیادہ شک حکومت اور اُس کی ایجنسیوں پر کیا جا رہا ہے۔ ہم محض جائزہ لیتے ہیں کہ اِس دھماکہ سے موجودہ حکومت کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کراچی کی ریلی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک عظیم اجتماع تھا۔ گزشتہ عشرہ میں کوئی سیاسی جماعت اتنی بڑی ریلی نہیں نکال سکی۔ بے نظیر بھٹو پنجاب میں بھی ایک بڑا اجتماع کرنا چاہتی تھیں۔ اُن کے بعد اگر نواز شریف بھی آتے اور ملک میں بڑے بڑے اجتماعات منعقد کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ واضح ہو جاتا کہ عوام تو محض اِن دو لیڈروں میں تقسیم ہیں۔ حکومت یا جنرل مشرف کی تو عوام میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ گویا انتخابات سے پہلے ایک غیر سرکاری عوامی ریفرنڈم ہو جاتا۔ پھر یہ کہ جنرل مشرف کو (باقی صفحہ 17 پر)

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 25 تا 31 اکتوبر 2007ء — 11 تا 17 شوال المکرم 1428ھ — شمارہ 39

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

عبدالرحمٰن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت

(سَر زمینِ اندلس میں)

(یہ اشعار، جو عبدالرحمٰن اوّل کی تصنیف سے ہیں، تاریخ المقری میں درج ہیں)

میری آنکھوں کا نُور ہے تُو — میرے دل کا سُرور ہے تُو
اپنی وادی سے دُور ہوں میں — میرے لیے نخلِ طُور ہے تُو
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا — صحرائے عرب کی حُور ہے تُو
پردیس میں ناصبور ہوں میں — پردیس میں ناصبور ہے تُو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نمِ سحر ہو!

عالم کا عجیب ہے نظارہ — دامانِ نگہ ہے پارہ پارہ
ہمّت کو شناوری مبارک — پیدا نہیں بحر کا کنارہ!
ہے سوزِ دروں سے زندگانی — اُٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبحِ غربت میں اور چمکا — ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے!
مومن کا مقام ہر کہیں ہے!

اِس نظم کا سببِ تصنیف یہ ہے کہ عبدالرحمٰن اوّل نے، جو اُندلس کا پہلا مسلمان فرماں روا تھا، مسجدِ قرطبہ کے ساتھ اپنے لیے ایک عالی شان قصر تعمیر کیا تھا۔ چونکہ اُسے پھل دار درختوں سے بہت اُنس تھا، اس لیے اُس نے قصر کے پائین باغ میں کھجور کا درخت بھی اگایا تھا، جس کی گٹھلی اُس نے شام سے منگوائی تھی۔ ایک شام سلطان حسبِ معمول باغ میں آیا۔ اُس وقت وہ اپنے رشتہ داروں اور ہم نشینوں کی غداری اور بے وفائی سے بہت آزردہ خاطر تھا۔ اسی حال میں اُس کی نظر کھجور کے درخت پر پڑی۔ چونکہ اُسے دیکھ کر اُس کے دل میں اپنے وطن کی یاد تازہ ہوگئی، اس لیے اُس کا دل بھر آیا اور بے اختیار یہ اشعار اُس کی زبان پر جاری ہو گئے (عربی زبان میں)۔ پہلے بند کے اشعار تو عبدالرحمٰن اوّل کی نظم کے آزاد اُردو تر جمے کے طور پر پیش کیے گئے اور دوسرے بند میں خود اقبال کے اپنے تاثرات درج ہیں:

1۔ شاعر کھجور کے درخت کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تُو میری آنکھوں کی روشنی بھی ہے اور دل کے لئے وجہ سکون بھی۔

2۔ مجھے تو جبری طور پر اپنا وطن چھوڑ کر دیارِ غیر میں اپنا مسکن آباد کرنا پڑا۔ یہاں تیرا وجود میرے لیے وہی اہمیت رکھتا ہے جو کوہِ طُور پر تجلّیِ حق کے سبب وہاں موجود کھجور کے درخت کو حاصل ہوئی۔

3۔ ہر چند کہ اپنے مزاج کے اعتبار سے تیرا وجود عرب کے صحرا سے مطابقت رکھتا ہے اور تجھ سے ہی اس صحرا کا حُسن برقرار ہے، لیکن یہاں اُندلس میں مقامی آب وہوا نے تیری نشوونما اور پرداخت کی ہے۔

4۔ اپنا وطن چھوڑ کر میں جس طرح اُندلس میں مضطرب اور پریشان ہوں، تیری بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے۔

5۔ میری دُعا ہے کہ تُو پردیس کی اِس اجنبی آب و ہوا اور ماحول میں پھلے پھولے اور علی الصباح برسنے والی شبنم تجھے تازہ دم اور ہرا بھرا رکھے۔

6۔ اِس عالمِ فانی کی صورتِ حال عجیب وغریب ہے کہ جسے دیکھ کر انسان کی آنکھیں چار ہو جاتی ہیں اور وہ پتھر کا ہوکر رہ جاتا ہے۔

7۔ اِس عالمِ رنگ وبُو کی مثال سمندر کی سی ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا اور لامحدود ہوتا ہے۔ یہاں کم ہمتی اور مایوسی کا کوئی دخل نہیں بلکہ انسان کو بلند حوصلگی اور عزم وہمت کے ساتھ حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔

8۔ یہ زندگی کسی اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے بغیر کامیابی کے ساتھ بسر نہیں ہوسکتی۔ انسان تو مٹی کا پتلا ہے اور مٹی سے کبھی چنگاریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

10,9۔ اِن اشعار میں علامتی سطح کے باوجود اقبال کا واضح اشارہ عبدالرحمٰن اوّل کی جانب ہے کہ یہ بلند حوصلگی اور عزم وارادہ کی برکت ہی تھی کہ اُموی شہزادے کو اپنی مملکت شام سے فرار ہوکر اُندلس میں پناہ لینی پڑی۔ صبحِ غربت اور شام کے ٹوٹے ہوئے ستارے سے اقبال نے خوبصورت علامتیں تخلیق کی ہیں۔

مغربی یلغار کا اصل ہدف اسلام ہے

امریکہ اور یورپ کے مفکرین کہہ رہے ہیں کہ اسلامی بنیاد پرستی کا اصل مرکز پاکستان اور سعودی عرب ہیں، لہٰذا دنیا کے دیگر مسلمان علاقوں کو نشانہ بنانے کی بجائے اِن ممالک پر حملہ کیا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ تمام تر منصوبہ بندی اسلام کی راہ روکنے کے لئے ہو رہی ہے۔ اِس کا آغاز جنگ افغانستان سے ہوا ہے، اور آج سے یہ جنگ ہمارے قبائل علاقوں میں آ گئی ہے۔

مسجد دار السلام باغِ جناح، لاہور میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب عید الفطر کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! اِس رمضان المبارک کی ستائیسویں شب قمری حساب سے پاکستان کی عمر کے 62 برس پورے ہو گئے ہیں۔ چونکہ ہماری سوچ پر مغربی چیزیں حاوی ہیں، لہٰذا ہمارے ہاں قمری کیلنڈر کی طرف لوگوں کا بہت کم دھیان ہوتا ہے۔ ان 62 سالوں میں ایسے وقفے بہت ہی مختصر آئے ہیں جب یہ محسوس ہوا کہ پاکستان مستحکم ہے اور اس کے اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی کچھ صلاحیت موجود ہے، ورنہ زیادہ تر وقت یہ جہاز ڈولتا ہی رہا ہے۔ بہت پرانی بات یاد دلاتا ہوں کہ خان عبدالولی خان مرحوم نے دھمکی دی تھی کہ ہم طورخم پر لگی زنجیر کو وہاں سے ہٹا کر مارگلہ پر لا کر لگا دیں گے، یعنی صوبہ سرحد پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا۔ بہت کم ممالک ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں کوئی اہم سیاسی لیڈر ایسے بیان دے، لیکن ہمارے ہاں آئے روز یہ باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ پتہ نہیں پاکستان قائم رہے گا یا نہیں! اگرچہ ہمیشہ سے ہی ہمارے ہاں غیر یقینی کی کیفیت طاری رہی، تاہم اس سال 9 مارچ کے بعد جو عدالتی بحران پیدا ہوا ہے، ہر دن ایک سوالیہ نشان کھڑا ہوتا ہے کہ آج کیا ہو جائے گا! اس ساری صورت حال کا ایک عمومی سبب ہے، جس کی طرف بدقسمتی سے بہت کم توجہ دلائی گئی۔ دراصل ہمارے بیشتر دانش ور اور کالم نویس حضرات جمہوریت ہی کا رونا روتے رہتے ہیں جبکہ مسئلہ کی اصل بنیاد کی طرف غور نہیں کرتے۔

پاکستان ایک عام ملک نہیں ہے۔ یہ اسلام کے نام پر بنا تھا اور بڑی عظیم قوتوں کی مخالفت کے باوجود بنا۔ گاندھی جیسا لیڈر، کانگریس جیسی عظیم جماعت اور برطانوی حکومت سب کے سب قیام پاکستان کے شدید مخالف تھے۔ اِس کے باوجود پاکستان کیوں بنا؟ اس لیے کہ ہم نے رو رو کر، گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں کی تھیں کہ اے اللہ! انگریز کے جانے کے بعد ہمیں ہندوؤں کی غلامی سے بچا لے، ہمیں ایک آزاد ملک دے دے تاکہ ہم اس میں تیرے دین کا بول بالا کریں، تیرے نبی ﷺ کا نظام قائم کریں۔ اس بنیاد پر پاکستان بنا تھا۔ ظاہری اسباب کے نہ ہونے کے باوجود پاکستان کا معرض وجود میں آ جانا یقیناً ایک معجزہ تھا۔ اس موضوع پر میری ایک کتاب ''استحکامِ پاکستان'' موجود ہے، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پاکستان کا قیام کسی حساب کتاب میں نہیں آتا۔ کون سے اصول ہیں پولیٹکل سائنس یا سوشیالوجی کے جن کے تحت پاکستان بن گیا؟ یہ سمجھ میں آنے والی بات بالکل نہیں ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان سے ایک سال پہلے قائداعظم نے مطالبۂ پاکستان سے دست برداری اختیار کر لی تھی۔ کیبنٹ مشن پلان میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اس وقت تو یہ ملک ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہو گا جس کے تین زون

> عراق کی مہم میں یورپ اور دیگر ممالک نے امریکہ کا ساتھ نہیں دیا، لیکن افغانستان کی مہم میں سب شریک ہو گئے؟ اس لیے کہ انہیں اندیشہ ہے کہ یہاں سے اسلام کا احیاء ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ اس کو یہیں پر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے پوری دنیا کے عیسائی اکٹھے ہیں

ہوں گے، پھر دس سال کے بعد ان میں سے اگر کوئی علیحدہ ہونا چاہے تو ہو جائے گا۔ قائداعظم نے اِس پلان کو مان لیا تھا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس نے نہرو کی زبان سے ایک جملہ نکلوا دیا۔ جب نہرو سے پوچھا گیا کہ: کیا دس سال کے بعد علیحدہ ہونے کی اجازت ہو گی؟ تو اس نے کہا: ایک دفعہ ملک بن جانے دو، پھر کون کسی کو علیحدہ ہونے دیتا ہے! اس پر قائداعظم نے ریورس گیئر لگایا کہ اگر یہی ارادے ہیں تو پھر ہم نہیں مانتے۔ چنانچہ پاکستان بن گیا، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ستائیسویں شب میں پاکستان نازل ہوا۔

یہ ملک صرف اسلام کی بنیاد پر مستحکم ہو سکتا تھا جبکہ اسی سے ہم نے رُوگردانی کی۔ ہم نے اللہ کے بجائے دوسرے سہارے ڈھونڈے۔ 1953ء کا واقعہ ہے، جب میں اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا۔ اُس وقت اینٹی قادیانی موومنٹ کی وجہ سے حالات بہت خراب تھے اور ہمارے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین یہاں آئے ہوئے تھے۔ میں طلبہ کا وفد لے کر ان سے ملنے گیا۔ دورانِ گفتگو جب میں نے مڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن (MEDO) میں پاکستان کی شمولیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ''دیکھیے یہ آپ کا کام نہیں، آپ طالب علم ہیں۔ یہ کام آپ ہمارے اوپر چھوڑیے۔'' میں نے کہا: ''جناب! آپ اس ملک کو رسیوں میں باندھ کر کہیں چھوڑ جائیں گے، آخر بعد میں ہم ہی نے اسے سنبھالنا ہے۔'' اس پر انہوں نے کہا: ''دیکھیے پنڈت جی (نہرو) تو نہیں چاہتے نا کہ پاکستان قائم رہے، اور ہم اکیلے تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے نا۔'' وہ دن اور آج کا دن، ہم اسی چکر میں رہے۔ ہم نے کبھی اللہ کی مدد پر بھروسہ نہیں کیا۔ کریں بھی کیسے! اللہ سے تو ہم نے غداری کی ہے، بے وفائی کی ہے۔ ہم نے تو کہا تھا کہ تیرے دین کا نام روشن کریں گے۔ لیکن جب وعدہ خلافی کی اور نفاذِ اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کی تو عدم استحکام کا شکار ہو گئے۔ گویا نفاذِ اسلام کی طرف پیش قدمی نہ ہونا ہمارے عدم استحکام کا سبب ہے۔ باقی یہ بھی ٹھیک ہے کہ جمہوریت یہاں چلنے نہیں دی گئی۔ اس میں عام طور پر قصوروار فوج کو، سیاست دانوں کو یا پھر بیوروکریسی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی وجہ کی جانب کوئی انگلی اٹھانے کو تیار ہی نہیں۔ جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب جاگیرداری ہے۔ عوامی سیاست اس ملک میں یا تو کراچی کے اندر ہے جہاں فیوڈل لارڈز کا عمل دخل نہیں ہے یا پھر پختون علاقے کے اندر ہے، اگرچہ وہاں پر بھی علماء کا کچھ عمل دخل ہے۔ تاہم یہ دونوں بھی باہم بالکل متضاد ہیں۔ جنوب کے اندر الٹرا سیکولر پارٹی ایم کیو ایم ہے جبکہ شمال میں الٹرا اسلامک لوگ ہیں۔ ان کا اسلام لوگوں کو بڑا ''کھردرا'' معلوم ہوتا ہے لیکن وہ شعائرِ اسلامی کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ بہرحال، میں اس

وقت پاکستان کے حالات کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گلوبل معاملہ کیا چل رہا ہے!

عام طور پر ہم سوچتے ہیں کہ عراق پر حملہ کیوں کیا گیا! اب تک اس کی کوئی وجہ دریافت نہیں ہوسکی۔ جو باتیں بیان کی گئیں' وہ سب نرا جھوٹ ہیں۔ اسی طرح افغانستان پر زبردست حملہ کیوں کیا گیا' حالانکہ نہ اُسامہ کے اوپر لگایا گیا الزام ثابت ہوسکا ہے اور نہ دنیا میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات میں طالبان کا کوئی حصہ ہے! طالبان نے تو افغانستان سے باہر قدم رکھا ہی نہیں' پھر انہیں کیوں گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا؟ اصل میں اس وقت دنیا میں ایک بہت بڑا مذہبی تصادم ہورہا ہے۔ امریکہ کی تیل پر بھی نگاہ تھی' لیکن اصل میں اسرائیل کی توسیع (extension of Israel) مقصود ہے۔ بعض خبریں بظاہر چھوٹی ہوتی ہیں' لیکن وہ اپنے اندر بہت بڑا مفہوم رکھتی ہیں۔ جب صدام کو شکست ہوئی تو فوراً بعد اسرائیل کے وزیر اعظم شیرون کا بیان آ گیا تھا کہ عنقریب عراق پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ درحقیقت یہ جنگ گریٹر اسرائیل کے لیے لڑی گئی۔ 1990ء میں جو پہلی خلیجی جنگ ہوئی تھی' اس میں امریکی آرمی کے انچارج نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نے یہ جنگ اسرائیل کی حفاظت کے لیے لڑی ہے کیونکہ صدام حسین سکڈ میزائلوں کے ذریعے اسرائیل کے اندر تباہی پھیلا سکتا تھا!

عراق کے معاملے میں یورپی ممالک نے امریکہ کا ساتھ نہیں دیا۔ عالمی رائے عامہ بھی اس جنگ کے حق میں نہیں تھی۔ یہ صرف دو ملکوں امریکہ اور برطانیہ کا فیصلہ تھا' کیونکہ یہ دونوں پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں۔ ان میں بہت بڑی تعداد میں نیوکون (New.con) ہیں' جو اسرائیل سے بڑھ کر اسرائیل کے حامی ہیں اور چاہتے ہیں کہ گریٹر اسرائیل وجود میں آئے، مسجد اقصیٰ منہدم ہو اور تھرڈ ٹمپل تعمیر ہو۔ یہ سب کچھ جلد از جلد ہو' کیونکہ یہ بات ان کے دماغوں میں بٹھا دی گئی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زمین پر دوبارہ اُس وقت آئیں گے جب تھرڈ ٹمپل بن جائے گا۔ ان کا ''خانہ کعبہ'' گرا ہوا ہے۔ صرف ایک دیوار ہے' دیوارِ گریہ! وہ وہاں جاتے ہیں' روتے ہیں' پیٹتے ہیں' ماتم کرتے ہیں۔ یہودی سمجھتے ہیں ہمارا مسیحا آئے گا' عیسائی سمجھتے ہیں ہمارے مسیحؑ آئیں گے، لیکن دونوں کا اس پروگرام پر اتفاق ہے کہ جب تک تھرڈ ٹمپل نہیں بنے گا' حضرت عیسیٰؑ نہیں آئیں گے!

اسی طرح کا معاملہ افغانستان کا ہے! افغانستان میں انہیں اندیشہ ہوگیا کہ اسلام کہیں ایک نظام کی حیثیت سے اُبھر کر دنیا کی نگاہوں میں نہ آ جائے۔ ساٹھ ستر سال پہلے علامہ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے عنوان سے نظم لکھی تھی۔ اس میں ابلیس کی زبانی یہ کہا تھا کہ ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اِس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

مجھے اشتراکیت سے کوئی اندیشہ نہیں' یہ تو ہمارا اپنا بنایا ہوا نظام ہے۔ جمہوریت سے کوئی اندیشہ نہیں ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس و خودنگر

اور ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر

ہاں ڈر ہے تو اس امت سے ہے۔ اس امت کے اندر آرزو کی چنگاری دبی ہوئی ہے۔ کس قدر پیاری تشبیہ دی ہے! جب انگارے کے اوپر راکھ آ جائے تو پھر وہ انگارہ نظر نہیں آتا' کہیں دھوکا کھا کے اسے ہاتھ میں اٹھا لیا جائے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا شے ہے۔ ؏ جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو! اسی نظم میں ابلیس کہتا ہے ؎

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

پریس ریلیز 19 اکتوبر 2007ء

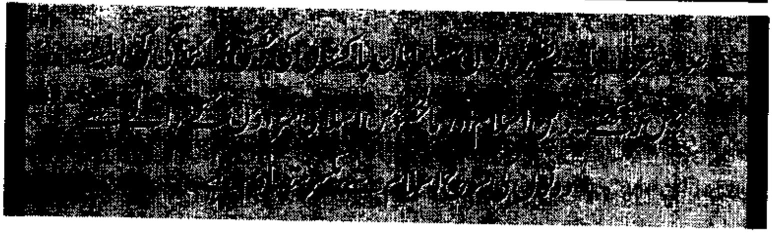

حافظ عاکف سعید

صدر مشرف ہوں یا بے نظیر' دونوں مسلمانانِ پاکستان کی حقیقی نمائندگی کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ دین اسلام اور بالخصوص اسلامی سزاؤں کے حوالے سے دونوں کی سوچ اسلام سے یکسر متصادم اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطبہ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے اِس جانب توجہ دلائی کہ ہمارے ہاں رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں تو لوگوں کی کثیر تعداد مسجد میں نماز کے اوقات میں نظر آتی ہے مگر جونہی رمضان کا مبارک مہینہ رخصت ہوتا ہے لوگوں کی تعداد بھی سکڑ جاتی ہے۔ جبکہ نماز کی پابندی بندہ مومن کا وہ اہم ترین وصف ہے جو ایک حدیث کے مطابق مسلمان اور کافر میں فرق اور پہچان کا موجب اور مسلمان کی شخصیت کا سنگ بنیاد بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دورِ نبوی ﷺ میں منافقین کو بھی نماز پڑھے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بصورت دیگر وہ مسلمانوں کی صفوں میں شامل نہیں ہوسکتے تھے۔ جبکہ آج یہ حال ہے کہ ہمارے موجودہ اور سابقہ حکمران طبقے کی اکثریت نہ صرف نماز سے بیگانہ ہے بلکہ اسلامی سزاؤں اور حدود اللہ کو وحشیانہ قرار دے کر اللہ کے غضب کو دعوت دینے سے بھی گریز نہیں کرتی اور ستم ظریفی یہ ہے کہ خود کو سچا و پکا مسلم و مومن بھی سمجھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نماز کی پابندی کرنے والے سچے اہل ایمان کی ایک صفت قرآن نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ انہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ واویلا مچانے کی بجائے اسے اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی طرف سے فراوانی ملتی ہے تو بخل کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اس مال کو جنت کمانے کا ذریعہ بناتے ہوئے خدمت خلق کے کاموں اور غلبہ و اقامت دین کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نماز کے بغیر بندۂ مومن کی زندگی کا تصور بھی محال ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ رمضان المبارک میں مہینے بھر کے روزوں اور نماز تراویح کا اصل حاصل تقویٰ ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اس تقویٰ کی پونجی کو ہم استعمال میں لاتے ہوئے باقی گیارہ مہینے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزاریں مگر افسوس صد افسوس کہ صورتحال بالکل اس کے برعکس ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کی نہ صرف آخرت کی فلاح بلکہ دنیا کی کامیابی بھی تقویٰ و اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی اگر ہم دنیا میں بھی کامیابی اور فوز و فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں تقویٰ کی روش اختیار کرنا ہوگی اور زندگی کے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنانا ہوگا۔ زیر درس آیات کی روشنی میں انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے روز نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ آئے گا۔ اس دن گناہ گار انسان کی شدید آرزو ہوگی کہ عذابِ جہنم سے بچنے کی خاطر اپنے بیٹوں' اپنی بیویوں' بھائی' اپنے تمام کنبے کو بلکہ روئے زمین کے سب لوگوں کو اپنی جگہ فدیہ میں دے کر جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائے مگر ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ تب لوگوں کو یہ احساس ہوگا کہ ہماری زندگی کا اہم ترین مسئلہ تو جہنم کی آگ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا جس کے لئے ایمان اور عمل صالح کی محنت دنیا میں اللہ نے لازم قرار دی تھی۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

ملک کے قبائلی علاقوں میں جو خوفناک صورتحال ہے، اس کے بعد بھی اگر ہم ہوش میں نہ آئے اور پاکستان میں شریعت اسلامی کا نفاذ نہ کیا تو اس ملک کا وجود نہیں رہے گا

اب زمانہ اسلام کی طرف جا رہا ہے۔ زمانوں نے بہت سی کروٹیں لی ہیں۔ بادشاہت سے نجات پائی۔ فرانسیسی انقلاب آیا۔ جمہوریت آ گئی۔ جمہوریت نے سرمایہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ عوام پہلے جاگیرداروں کے رحم و کرم پر تھے، اب سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر آ گئے۔ پھر کروٹ لی تو کمیونزم آ گیا۔ ایک پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ قائم ہو گئی۔ کمیونزم بھی مر گیا۔ اب زمانہ کدھر جا رہا ہے؟ حالات بتا رہے ہیں کہ اب اس کا رخ اسلام ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ انہیں وہاں یہ خطرہ ہو گیا تھا۔ جان لیجیے کہ یہ ہے اصل میں افغانستان کا مسئلہ!

اس کی وجہ کیا ہے؟ احادیث میں اس کی خبر موجود ہے۔ جب آخری شوڈاؤن ہو گا تو ایک طرف عیسائی اور یہودی ہوں گے جبکہ دوسری طرف مسلمان۔ وہ آخری وقت آنے والا ہے جب دجالِ اکبر یہودیوں کی قیادت کر رہا ہو گا اور مسلمانوں کی قیادت حضرت مہدی کے ہاتھ میں ہو گی۔ اس موقع پر ایک تو آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھا لیا تھا۔ یہ عقیدہ ہمارے اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اٹھا لیے گئے، ہم بھی سمجھتے ہیں کہ زندہ اٹھا لیے گئے۔ وہ بھی سمجھتے ہیں دوبارہ آئیں گے، ہمیں بھی یقین ہے کہ آئیں گے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عیسائی سمجھتے ہیں کہ انہیں صلیب دے دی گئی، وہ سولی پر چڑھ کر فوت ہو گئے اور پھر زندہ ہو کر اوپر چلے گئے، جبکہ ہم مسلمانوں کے نزدیک وہ نہ تو قتل ہوئے اور نہ انہیں سولی دی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچایا اور اٹھا لیا (المائدہ: 157)۔ اس حوالے سے ایک تو آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام اتریں گے اور دوسری طرف خراسان کے علاقے سے فوجیں آئیں گی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال اور یہودیوں کا مقابلہ کریں گی۔

یہ روایت جو ہمارے ہاں موجود ہے، میں سمجھتا ہوں کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لٹریچر میں بھی موجود ہے۔ ایک مثال سے اس کو واضح کرتا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت یہ صورت حال ہو گی کہ اگر یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ درخت پکارے گا: اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، آ، اسے قتل کرو۔ کسی چٹان کے پیچھے چھپے گا تو چٹان پکارے گی۔ البتہ ایک درخت ''غرقد'' ہے جو یہودیوں کو پناہ دے گا۔ لہٰذا آج اسرائیل میں بڑے پیمانے پر غرقد کے درخت لگائے جا رہے ہیں۔ گویا ہمارے ہاں جو روایات ہیں، ان کے ہاں بھی موجود ہیں اور وہ ان کے حوالے سے اپنی پلاننگ کرتے ہیں۔

خراسان کے علاقے کے بارے میں مَیں نے ایک زمانے میں بڑی تحقیق کی تھی۔ ایک خراسان تو آج ایران کا چھوٹا سا صوبہ ہے، جس میں اہل تشیع کا مقدس ترین اور متبرک ترین مقام مشہد واقع ہے۔ لیکن جو خراسان آنحضورﷺ کے زمانے میں تھا، یوں سمجھیے کہ اس کا نیوکلیس موجودہ افغانستان ہے۔ اس کا ایک کنڈا پاکستان میں مالاکنڈ سے اوپر کا علاقہ ہے جس میں سوات، باجوڑ، دیر اور چترال شامل ہیں۔ اور دوسرا ایران کا وہ صوبہ بھی پرانے خراسان کا حصہ ہے۔ یہاں سے سیاہ جھنڈے لے کر فوجیں جائیں گی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کھڑے ہو کر یہودیوں کا اور ان کے لیڈر دجال کا مقابلہ کریں گی۔ دجال کو حضرت مسیح علیہ السلام اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔

اس حوالے سے ایک نکتے پر خاص طور پر غور کیجیے کہ کیا وجہ ہے کہ عراق کی مہم میں یورپ اور دیگر ممالک نے امریکہ کا ساتھ نہیں دیا، لیکن افغانستان کی مہم میں سب شریک ہو گئے؟ افغانستان میں نیٹو کی فوجیں ہیں، جو کہ عموماً کیتھولکس ہیں، اس لیے کہ انہیں اندیشہ ہے کہ یہاں سے اسلام کا احیاء (resurgence) ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ اس کو یہیں پر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے پوری دنیا کے عیسائی اکٹھے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے، اس میں امریکہ کو روس کی بھی آشیرباد حاصل ہے اور چین کی بھی حمایت حاصل ہے۔ یہ اگرچہ آپس میں دشمن ہیں لیکن اس معاملے میں سب متفق ہیں۔ اسلام کے خلاف کفر ملتِ واحدہ ہے۔

اب جو بات آج کہنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ افغانستان کی جنگ میں اگر طالبان اپنی زبردست شکست کے باوجود کھڑے نہ رہتے اور جانوں کی قربانی نہ دیتے تو اب تک پاکستان کی بھی باری آ چکی ہوتی! آج ان کی مزاحمت کی وجہ سے امریکہ اور نیٹو ممالک آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، ورنہ اگلا ٹارگٹ تو پاکستان ہی تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ پاکستان کا ایٹم بم کسی کو ہضم نہیں ہو رہا۔ وہ کسی کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ان کے مفکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلامی بنیاد پرستی (Islamic fundamentalism) کا اصل گہوارہ پاکستان اور سعودی عرب ہیں، لہٰذا ادھر اُدھر حملے کرنے کے بجائے وہاں حملے کرو۔ درحقیقت یہ ساری تدبیریں اسلام کا راستہ روکنے کے لیے ہو رہی ہیں۔ اب یہ جنگ ہمارے ملک کے اندر آ گئی ہے۔ ایک بہت بڑے فلسفی مؤرخ اور مصنف شکیب ارسلان کا قول ہے کہ ہمارے شمال میں جو دو پہاڑی سلسلے چلتے ہیں، پامیر کی سطح مرتفع سے کوہ ہمالیہ جنوب مشرق کی طرف، جبکہ کوہ ہندوکش جنوب مغرب کی طرف جا رہا ہے، ان کے درمیان میں جو مثلث بنتی ہے یہاں وہ لوگ آباد ہیں کہ اگر پوری دنیا میں اسلام کی نبضیں ڈوب بھی جائیں تب بھی اس علاقے میں اسلام کی نبض چلتی رہے گی۔ ان کے خون میں اسلام ہے، شریعت ہے، شعائر اسلامی کی حمیت ہے۔ آج وہاں پر اگر تین تین سو آدمیوں نے ہتھیار ڈالے ہیں تو یونہی تو نہیں ڈال دیے۔ آخر فوجی تھے! ہتھیار ان کے پاس تھے۔ اب ان کی رہائی کے لیے ایسے مذاکرات ہو رہے ہیں جیسے کسی دوسرے ملک کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ وہاں پر اب ان کی اپنی حکومت ہے۔ ان کے اپنے قوانین نافذ ہیں۔ ان کی اپنی عدالتیں ہیں۔ اس معاملے کو اگر تشدد کے ساتھ دبایا گیا تو یہ آگ اور بھی بھڑکے گی۔ یہ آگ بجھنے والی نہیں ہے!

اب بھی اگر ہم ہوش میں نہ آئے اور پاکستان میں شریعت اسلامی کا نفاذ نہ کیا تو اس ملک کا وجود نہیں رہے گا۔ ناممکن ہے کہ رہے! 12 مارچ 1949ء کو ہم نے ''قراردادِ مقاصد'' پاس کر لی تھی۔ اس میں گویا پاکستان میں خلافت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ پھر 1950ء میں جب یہ کہا گیا کہ کس کا اسلام نافذ کیا جائے: شیعوں کا، سنیوں کا، دیوبندیوں کا، بریلویوں کا، اہل حدیث کا؟ تو تمام فرقے جمع ہو گئے اور انہوں نے 22 اصول مرتب کر دیے کہ ہم متفق ہیں، ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ آؤ، بناؤ اسلامی دستور۔ بعد میں مذہبی جماعتوں سے اندرونی طور پر ایک غلطی ہوئی کہ وہ پاور پالیٹکس میں کود پڑیں۔ ان کا کام تھا کہ اقتدار کی خواہش رکھنے کے بجائے پریشر گروپ کی حیثیت سے نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرتے رہتے۔ تو ایک تو ہمارے ہاں اندرونی غلطی ہوئی جبکہ ایک باہر سے یہودیوں اور ان کے سرپرستوں نے سازش تیار کی۔ لیاقت علی خان کو قتل کرا دیا گیا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے قراردادِ مقاصد پاس کرائی تھی اور یہ عالم کفر کے حلق سے اترنے والی شے نہیں تھی۔ یہودیوں نے تو صدیوں محنت کر کے سیکولرازم کو رواج دیا تھا کہ مذہب کا ریاست اور حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد 1956ء کا دستور بن گیا۔ پھر ایوب خان کو امریکہ بلایا گیا اور کہا گیا کہ جاؤ وہاں پر مارشل لاء لگاؤ۔ اس اعتبار سے ایک تو باہر کی سازش ہے اور دوسرے ہماری اندرونی غلطی کی وجہ سے آج تک یہاں اسلام نہیں آیا۔ اب بھی راستہ یہی ہے کہ دستوری عمل کو آگے بڑھایا جائے اور اس کے تحت یہاں پر اسلامی قوانین کا نفاذ ہو۔ اس کے لیے تنظیم اسلامی نے دستوری ترمیم کا ایک مسودہ تیار کر کے پیش بھی کیا، لیکن بدقسمتی سے ایم ایم اے کے کسی بھی راہنما نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ اگر اس طریقے سے یہاں اسلام نہ آیا تو پھر یہ آگ جو آج شمالی کنارے پر لگی ہے، بجھنے والی نہیں ہے۔ تشدد سے آج تک کوئی تحریک نہیں دبی۔ ان لوگوں کے اندر دینی حمیت، غیرت اور حریت کا جو مادہ ہے، اسے کوئی طاقت دبا نہیں سکتی۔ پھر یہ معاملہ اُدھر سے آئے گا۔ لیکن چاہیے تو یہ کہ اس سے پہلے ہم خود ایک بہتر انداز میں، تدریجی طور پر یہاں شریعت اسلامی کے نفاذ کا بندوبست کریں! (مرتب: محمد خلیق)

برین واشنگ کا شکار کون؟

محمد شکیل

"برین واش" کا لفظی معنی تو دماغ کی دھلائی ہے مگر اصطلاحاً اس میں ایک منفی مفہوم پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ ایک ایسی دھلائی جس سے صفائی تو حاصل نہیں ہوتی مگر گندگی ضرور جنم لیتی ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق "برین واش" کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ "کسی شخص کے ذہن پر کوئی منفی خیالات بار بار مختلف ذرائع سے ٹھونسے جائیں یا مسلط کئے جائیں یہاں تک کہ اُسے غلط سوچنے سمجھنے پر قائل کر لیا جائے۔" یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان کا ذہن بار بار دہرائی جانے والی چیزوں سے اثر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ ذہن مکمل طور پر ویسا ہی سوچنے سمجھنے لگتا ہے جس طرح اُس سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات بھی اس کے بارے میں بہت تحقیقات کر چکے ہیں۔ وہ تو یہاں تک تجربات کر چکے ہیں کہ چند جوڑوں کو جو زندگی کا طویل دورانیہ اکٹھے گزار چکے تھے ایک کمرے میں جمع کر لیا گیا اور کچھ ذہین اشخاص سے کہا گیا کہ ان مردوں میں سے ہر شخص کی بیوی پہچان کر اُسے اُس کے ساتھ الگ کھڑا کر دیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جوڑے الگ الگ کرنے کا تجربہ بالکل کامیاب رہا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک جیسے حالات میں رہنے والے میاں بیوی جنہوں نے زندگی کی دوڑ میں ایک ہی جیسا سوچا ہوتا ہے، ایک جیسی غم وخوشی منائی ہوتی ہے، ایک ہی جیسا کھایا پیا اور پہنا ہوتا ہے، اُن کی شکلوں تک میں مماثلت پیدا ہو جاتی ہے، دماغ تو ویسے بھی بہت جلد اثر لیتے ہیں۔

1970ء میں ایک یہودی امریکی ڈاکٹر رچرڈ بینڈلر (Dr. Richard Bandler) نے، جو ایک شیطانی ذہن کا مالک تھا، انسان پر غور کرنے کے بعد ایک نئی سائنس ایجاد کی، جس کو Neuro Languistic Programming کہتے ہیں۔ یعنی کمپیوٹر کی طرح لوگوں کو بھی پروگرام یا "برین واش" کیا جا سکتا ہے۔ اس نئی سائنس کی مدد سے آج یہودی میڈیا کے ذریعے پوری دُنیا کو "پروگرام" کیے ہوئے ہیں۔ یعنی نئی نسل کس طرح کپڑے پہنے گی، کس طرح بات کرے گی، کس طرح کھائے گی، کس طرح سوچے گی وغیرہ اب میڈیا کے ذریعے کنٹرول ہوتا ہے جس کا اثر آج ہم اپنی نوجوان نسل کی اکثریت میں واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ وہ گلے میں سونے کی چین، کلائی میں کڑے یا فرینڈ شپ بینڈ باندھ کر نمائشی چال چلتے ہیں۔ اس سائنس کی بدولت گزشتہ دو دہائیوں میں طرزِ زندگی میں بڑی تبدیلی آ گئی ہے۔ شادی کے تہوار، پیلے کپڑے، بسنت وغیرہ انہی کی ایجاد ہے۔ اب ہماری اکثریت وہی کرتی ہے جو وہ چاہتے ہیں۔ میک ڈونلڈز کے Launch ہونے سے پہلے ایک بڑا Crowd پہلے سے ہی اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب فکر (Anxiety Level) بڑھ جاتا ہے اور لوگ پکار اُٹھتے ہیں کہ کب آئے گا؟ تو یہ آپ کے شہر میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہی حال باقی برانڈڈ پروڈکٹس مثلاً لیوائز، نائیکی (یہودی پروڈکٹس) کا بھی ہوتا ہے۔ اور ہم پھر بغیر سوچے

> نیورو لینگوسٹک پروگرامنگ کے ذریعے یہودی پوری دُنیا کو "پروگرام" کیے ہوئے ہیں۔ یعنی نئی نسل کس طرح کے کپڑے پہنے گی، کس طرح بات کرے گی، کس طرح کمائے گی، کس طرح سوچے گی وغیرہ، یہ سب کچھ اب میڈیا کے ذریعے کنٹرول ہوتا ہے

سمجھے پاگلوں کی طرح اُن پر جھپٹ پڑتے ہیں کیونکہ ہم پہلے سے ہی "پروگرام" ہو چکے ہوتے ہیں۔ 7/11، KFC، Chinone، Carrifore وغیرہ جیسی بین الاقوامی Chains اب پاکستان کا رخ کئے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کی آمد سے پہلے ہی منتظر بیٹھے ہیں۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ صحیح اور غلط کا فیصلہ کون کرے گا۔ اگر ایک شخص کو ایک خاص ماحول یا معاشرے میں رکھا جائے اور اُس کے ذہن پر انٹرنیٹ، میڈیا اور دوسرے ذرائع سے کچھ اثرات ڈالے جائیں یہاں تک کہ وہ مختلف طریقے سے سوچنے لگے تو اس موڑ پر یہ فیصلہ کون کرے گا کہ کیا وہ پہلے صحیح حالت میں تھا یا بعد میں صحیح سوچنے لگا ہے۔ کچھ عقلمند انگریز تو یہاں تک کہہ گئے کہ "There is nothing good or bad but thinking makes it so" یعنی زندگی میں کوئی بھی چیز بُری یا بھلی نہیں ہوتی مگر سوچنے کا انداز اُسے بُرا یا بھلا بنا دیتا ہے۔ برقعہ میں ملبوس خاتون اگر لاس ویگاس کے کلبوں یا Topless Beaches پر پائی جائے تو لوگ اُسے عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔ اس کے برعکس اگر ایک خاتون Bikini میں ملبوس میران شاہ کے بازار میں ایک چکر لگانے کی کوشش کرے تو پختون شاید اُس کو گولیوں سے چھلنی کر دیں۔ حیوانی سوچ رکھنے والے نوجوان اس طرح کے حیوانوں (عقلمند انگریزوں) سے بہت جلد مرعوب ہو جاتے ہیں اور تصور کرتے ہیں کہ شاید انہوں نے بڑی دانشمندی کی بات پالی ہے اور بڑے انہماک اور فخر کے ساتھ اس سوچ کو پھیلاتے رہتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ صحیح ہے کیا؟ اور یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی حدیں مقرر کرنے سے ہی پتہ چلے گا کہ "برین واش" کون؟ ورنہ اس "برین واش" کو کوئی بھی اپنی غرض کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑا سچ کلام اللہ یعنی قرآن پاک ہے اور نبی ﷺ کی مبارک زندگی ہے جو اسی قرآن کا عملی نمونہ ہے مگر افسوس کہ آج ہم اپنے ذہنوں میں شک پال رہے ہیں۔ زبان سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑی سچائی قرآن پاک ہے، مگر منافقت کی انتہا یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہی نہیں۔ اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو ہمیں اس کے ترجمہ وتفسیر کا کچھ علم نہیں ہوتا اور اگر تھوڑا بہت کہیں سے پتہ چل بھی جائے تو اُس پر عمل نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور رسول کہیں گے کہ اے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا" (الفرقان:30)

اور ہماری اس کوتاہی کے سبب تو اللہ ہمیں گمراہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"سو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر (قائم) ہو، ان لوگوں کی مثل ہو سکتا ہے جن کے بُرے اعمال ان کے لئے آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہوں۔" (سورۃ محمد:16)

جب ہم اللہ کو بھلا کر اُس کی نافرمانی کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ہم سے اپنی نگاہ کرم ہٹا دیتا ہے۔ پھر ہم اپنا یقین و اعتماد دنیا اور خواہشات نفسانی سے جوڑ کر ان کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں، اور بہت سے بُت تراش لیتے ہیں، مثلاً پیسہ، ترقی، جھوٹی انا، عالی شان گھر، گاڑی وغیرہ۔ یہ طرزِ عمل کہاں کی مسلمانی ہے۔ بقول اقبال ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

قرآن پاک انسانیت کے لئے بہترین ضابطۂ حیات ہے۔ چودہ صدیاں گزر جانے کے کوئی کافر و مشرک اِس میں غلطی نہ نکال سکے۔ اور یہی قرآن کا دعویٰ بھی ہے:

''کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ (قرآن) غیرِ خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔'' (النساء:82)

آج اگر ہم مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں تو یہ اِس پاک کتاب کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ

''بے شک اللہ اسی کتاب کی بدولت قوموں کو عروج بخشے گا، اور اسی کتاب کو چھوڑنے کے باعث قوموں کو ذلیل و خوار کرے گا۔'' (صحیح مسلم)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آج اگر ہم اہلِ مغرب والوں کی زندگی میں جو ترقی دیکھ رہے ہیں تو گہرائی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قرآن پاک کے چند اصولوں کو پکڑ کر ہی وہ دنیاوی لحاظ سے اس بلندی تک پہنچے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے سوچیں اگر ہم مسلمان اللہ پر پختہ یقین رکھیں اور پھر ان اصولوں کو اپنائیں تو کیا ہمارا خدا ہمیں کفار پر برتری نہیں دلائے گا۔ تب تو ہم میں اور مغرب والوں میں صرف ایک فرق رہ جائے گا۔ اور وہ یہ کہ مغرب والے اپنے حیوانی جسم کے غلام (بندہ) ہوں گے، اور ہم اللہ کے وہ غلام جو شہادت کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ پھر ہم موت سے ڈرنے والوں سے زیادہ طاقت ور ہوں گے۔ ذرا سوچئے! ''اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو''۔ (تغابن) پر یقین رکھنے والے کی Output زیادہ ہو گی یا کروڑوں ڈالر خرچ کر کے نگرانی کے سسٹم بنانے والوں کی؟ کیا اپنے باپ کو یقین کے ساتھ باپ کہنے والوں کی ماں سے محبت زیادہ ہو گی یا ماں پر شک کرنے والوں کی؟ کیا وہ والدین جن کے بچے، بچیاں مخلوط ماحول میں جانور نما انسانوں کے درمیان ہوں، سکون کے ساتھ رہ سکتے ہیں یا وہ جن کی عزت ہر طرح سے محفوظ ہو؟ کیا حیادار لڑکی سے شوہر کی محبت ہو گی یا بے حیا سے؟ کیا شراب کے نشے میں مست حیوان نما انسانوں سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں گے یا اللہ کا ذکر اور اللہ پر یقین رکھنے والوں سے؟ کیا سودی نظام معاشی خوشحالی لا سکتا ہے یا سود سے پاک نظام؟ قرآن کی ان پاکیزہ تعلیمات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو لوگ قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں وہی صحیح عقیدہ اور درست طرزِ عمل رکھنے والے ہیں اور جو لوگ جتنے اسلامی عقیدہ و عمل سے دور ہیں، وہ اُتنے ہی گمراہ ہیں۔ ''صحیح کیا ہے'' کی اس وضاحت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت وہی لوگ گمراہ یا ''برین واش'' ہو چکے ہیں جو قرآن کے برعکس زندگی گزار رہے ہیں۔

آج میڈیا کے مشہور نیٹ ورکس پر جو لوگ کام کر رہے ہوتے ہیں، وہ بڑی ہوشیاری سے ہم مسلمانوں سے ہماری اقدار چھین رہے ہیں۔ اکثر اوقات ہم اُنہی کے میڈیا کی نظرِ کرم پر ہوتے ہیں اور وہ بڑی چالاکی سے ہمیں Trap کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم نہ تو حقائق سے واقف ہیں اور نہ اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں اور اسی لیے اللہ بھی ہمیں اُن کے حوالے کر دیتا ہے۔ پانچ منٹ گانا سننے سے انسان غافل ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص کئی سال گانے سنتا ہو وہ ایک مکمل ہیجڑا بنے گا یا کہ علامہ اقبال کا شاہین؟ الیکٹرانک میڈیا کے علاوہ ہمارا لٹریچر، اخبارات و رسائل اُن کی تہذیب کو فروغ دے رہے ہیں۔

افسوس تو اِس بات کا ہے کہ ہمارے حکمران اپنی کرسی کو محفوظ کرنے کی غرض سے بیرونی امداد کڑی شرائط کے ساتھ حاصل کرتے ہیں اور اِس ''امداد'' کے ذریعے ہم مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مختلف N.G.Os بھی رفاہی کاموں کی آڑ میں بے دینی پھیلا رہی ہیں۔ مثلاً عورتوں کو چادر اور چار دیواری سے نکال کر سڑک پر لانا، تعلیمی نصاب سے اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو نکالنا اور نئی نسل کو اسلامی اقدار سے دور کرنا اور پھر مکمل کافر بنانا۔ ذرا سوچئے، کیا وجہ ہے کہ آج ہمیں US Aid اور Common Wealth کے سکالر شپ تو ملتے ہیں، مگر سعودی عرب کا نہیں ملتا۔ ہمارے ذہین لوگ انہی کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر یہی لوگ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس ملک میں آ کر پالیسی ساز اداروں پر مسلط ہوتے ہیں اور بیرونی مفادات کی جنگ لڑتے ہیں۔

حالات کی ستم ظریفی تو یہ ہے کہ آج مغربی تہذیب کے دلدادہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ شب و روز قرآن کا ترجمہ و تفسیر پڑھنے والے اور پیارے نبی ﷺ کی مبارک اداؤں کو سمجھنے اور ان پر مر مٹ جانے والے ''Brain Wash'' ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہنے والے بھی کوئی اور نہیں بلکہ وہی بدقسمت مسلمان (نام نہاد) ہیں جن کو نہ تو قرآن کی کسی آیت کا علم ہے اور نہ نبی ﷺ کے اسوہ کی کچھ خبر۔ آج ایسے ہی لوگ اپنے بہتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسے صدر جنرل پرویز مشرف کہتے ہیں کہ میں ایک بہت بہتر مسلمان ہوں۔ حالانکہ یہ دعویٰ تو کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ نے بھی نہیں کیا تھا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور پھر انہیں اپنا انداز فکر اور طرزِ عمل سب اچھا دکھائی دیتا ہے۔ حدیث رسولؐ کے مطابق منافق امن میں ہوتا ہے جبکہ مومن ہر وقت اِس ڈر میں ہوتا ہے کہ کہیں وہ منافق تو نہیں ہو گیا۔

کیا یہ ہماری منافقت کی نشانی نہیں ہے کہ ہم باطل نظام کے محافظ بنے ہوئے ہیں اور بڑے سکون کے ساتھ اس نظام کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس نظام کو تبدیل نہیں کر رہے ہیں۔ اور اگر کوئی اِس کے خلاف جدوجہد کرے، اِس کے خاتمے اور شریعت یا خلافت کے نفاذ کی بات کرے تو اُسے دہشت گرد کہہ دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو آج ہماری قوم کی اکثریت ''برین واش'' ہو چکی ہے۔ مغربی میڈیا نے ہمیں مسخر کر لیا ہے۔ آج ہم اپنا تشخص کھو چکے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دعویدار اور خود کو مسلمان سمجھنے والے اگر اپنے آپ کو قرآن و سنت کی روشنی میں لیں تو معلوم ہو گا کہ کچھ غیرت مندوں کے سوا باقی سب شیطانی راہ پر چل رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ نماز مسلمان اور کافر کے درمیان فرق ہے، جبکہ ہم میں سے تقریباً 2 یا 3 فیصد لوگ ہی پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، اور ہماری نماز کی حالت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اور یہی حال دین کے باقی احکامات کا بھی ہے۔ اِسی لیے تو کہتے ہیں کہ انسان ہر لمحہ یا تو رحمٰن کی اطاعت میں ہوتا ہے یا پھر شیطان کی اطاعت کر رہا ہوتا ہے۔

میری کر رہا تمام مسلمان بھائیوں سے استدعا ہے کہ خدارا اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے دشمن نہ بنو۔ خدا کے لئے قرآن و حدیث کو سمجھو، اور صحیح راستہ اختیار کر لو۔ موت سامنے کھڑی ہے۔ شیطان نے ہم کو مکمل دھوکے میں رکھا ہے۔ اور اگر یہی حالت رہی تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت پر نہ چلنے والوں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ آیئے، ہم توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کریں کہ آج ہی سے اللہ کی مکمل اطاعت شروع کریں گے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

دعائے صحت

- ☆ قرآن اکیڈمی کے شعبہ مطبوعات کے مدیر حافظ خالد محمود خضر کی والدہ علیل ہیں
- ☆ بہاولنگر کے رفیق ایڈووکیٹ طالب حسین صاحب کا آپریشن ہوا ہے
- ☆ مروٹ کے رفیق ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا اپریشن ہوا ہے
- ☆ تنظیم اسلامی نارتھ ناظم آباد کے امیر جناب سید اظہر ریاض کی بھانجی علیل ہے
- ☆ رفیق تنظیم اسلامی اور سابق صدر انجمن خدام القرآن سندھ زین العابدین بیمار ہیں

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

رب ذوالجلال سے مفاہمت کیجئے!

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

مئی 1950ء میں پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم نے اس وقت کی عالمی طاقت سوویت یونین روس کونظر انداز کرتے ہوئے مدمقابل عالمی طاقت امریکہ کا دورہ کیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ امریکہ ہمیشہ سے پاکستان کے مقابلے میں بھارت کے ساتھ بہتر تعلقات کا خواہاں تھا اور ہے۔ جس کی بڑی وجہ بھارت کی وسعت آبادی اور وسائل ہیں۔

1953ء میں امریکہ کے وزیرخارجہ جان ڈکسن نے پاکستان کا دورہ کیا اور اپنے دورے میں دونوں ملکوں کے مضبوط تعلقات کی اہمیت پر زور دیا کیونکہ مقابلے میں بھارت امریکہ کی پالیسیوں پر بے لاگ تنقید کر رہا تھا۔ پاکستانی سیاست کے پہلے فوجی آمر صدر ایوب خان اوّل روز سے ہی امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدوں کے بے حد خواہاں تھے۔ بھارت کے جارحانہ رویے، جغرافیائی حیثیت اور پاکستان کے دونوں حصوں کی باہمی دوری نے ایوب خان کی سوچ کو مزید پختہ کر دیا۔ اسی قسم کی سوچ اُس وقت کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ کی بھی تھی۔ 1954ء میں دونوں ملکوں نے باہمی امداد کا معاہدہ کیا۔ معاہدے میں امریکہ نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ پاکستانی فوج کو اسلحہ فراہم کرے گا۔ امریکہ کی پاکستان سے معاہدے کی وجہ، روس کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کے نظریے کمیونزم سے خوف تھا۔ امریکہ کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنا چاہتا تھا، اور اسے اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان کی ضرورت تھی۔ 1962ء تک پاکستان کے امریکہ کے ساتھ نہایت دوستانہ تعلقات رہے مگر یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہئے کہ پاکستان کو امریکہ کے ساتھ ان دوستانہ تعلقات کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی، یعنی روس اور بھارت کی کھلم کھلا دشمنی اور عربوں، افریقی اور ایشیائی قوموں میں غیر مقبولیت۔ کشمیر کا مسئلہ بھی امریکی لابی میں شامل ہونے کی وجہ سے بگڑ گیا۔ سب کچھ کرنے کے باوجود امریکہ بھارت کو ہمارے مقابلے میں زیادہ معاشی امداد دیتا رہا۔ صدر کنیڈی کے دور میں جنوبی ایشیا کے بارے میں امریکہ کی پالیسی میں تبدیلی آئی اور امریکہ پاکستان سے دور ہوگیا۔ اسی دور میں امریکہ نے پاکستان کے احتجاج کے باوجود انڈیا چین جنگ میں بھارت کو بڑی مقدار میں اسلحہ دیا۔ اور بعدازاں یہی اسلحہ بھارت نے 1965ء کی جنگ میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا۔ 1971ء کی جنگ میں امریکہ نے دوغلی پالیسی اپنائی، ایک جانب اُس نے بھارت پر دباؤ کا ڈرامہ رچایا اور دوسری جانب پاکستان کو بحری بیڑے کی آمد کی جھوٹی خبروں پر لگائے رکھا۔

پاکستانی سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا دور ایسا ہے جو امریکہ کی پالیسیوں کی کاسہ لیسی سے پاک نظر آتا ہے۔ بھٹو مرحوم نے جب ایٹمی پلانٹ کی فرانس سے بات چلائی تو امریکہ نے فرانس پر سفارتی دباؤ ڈالا کہ وہ اپنی پالیسی ترک کرے۔ بھٹو کے تیسری دنیا کو یکجا کرنے کے جنون نے بھی امریکہ کو پاکستان دشمنی کی پالیسی بنانے پر مجبور کر دیا اور یہی وہ جرائم تھے جن کی وجہ سے تختہ دار بھٹو کا مقدر بنا۔ روس، افغان جنگ کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق کے دور میں امریکہ کے تعلقات پاکستان سے ایک مرتبہ پھر بہتر ہو گئے۔ ان تعلقات کی وجہ بھی عالمی طاقت روس کا خاتمہ تھا اور پاکستان دو طاقتوں کی سرد جنگ میں بھرپور استعمال ہوا اور نتیجتاً سوویت یونین کی تحلیل ہوگئی۔ اور اس تحلیل کے بعد امریکہ نے اپنی روایتی طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا اور ایک بار پھر حسب سابق پاکستان سے آنکھیں پھیر لیں اور پاکستان کی جانب سے پیشگی قیمت کی ادائیگی کے باوجود اسے ایف 16 طیارے دینے سے انکار کر دیا۔

> **ملک کے لئے ”سیکیورٹی رسک“**
> **سیاستدانوں اور ”لٹیروں“ سے نام نہاد قومی مفاہمت نہ کی جائے اور حقیقی اور واقعی مفاہمت کی جانب پیش رفت کی جائے جو صرف اور صرف رب تعالیٰ سے ہو سکتی ہے**

امریکہ کی اس عرصے میں منافقت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ افغان روس جنگ کے عرصے میں امریکہ نے آج کے ”دہشت گردوں“ کو تب مجاہدین بھی تسلیم کیا۔ اور سب سے بڑھ کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے بھی غضِ بصر (چشم پوشی) کئے رکھا۔ ڈالروں کی بارش بھی جاری رکھی۔ جس سے ہماری معیشت میں ایک مصنوعی استحکام آیا اور ہمارے حکمرانوں نے بھی امریکی اشاروں پر ناچنے کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر ملنا ممکن نہیں۔ بقول شاعر ؎

مرا یہ حال بوٹ کی ٹوہ چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پہ نہ رینگ

نائن الیون کے حادثے کے بعد حالات نے ایک اور کروٹ لی اور ایک دھمکی پر ہمارے حکمران بتاشے کی طرح بیٹھ گئے، ہمارے حکمرانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ امریکہ کی چاپلوسی اور اس کی رضاجوئی حاصل کرنا ہمارا ”مقصدِ عظیم“ بن گیا۔ صدر جارج بش کی خوشنودی کے لئے ہم نے اپنی آزادی، خودمختاری اور اسلامی تشخص کو بھی قربان کر دیا۔ بعض مواقع پر اسرائیل کو تسلیم کرنے کا ”انمول خیال“ بھی ہمارے حکمرانوں کے ذہنوں میں آیا۔ گوانتاناموبے کے پنجروں میں بھرنے کے لئے ہم نے اپنے شہریوں کو ”شکار“ کر کے امریکی فوج کو پیش کر کے داد و تحسین حاصل کیا اور ڈالروں کے انعام بھی پائے۔ میری رائے میں افغان پالیسی پر یوٹرن مرغ بادنما کی طرح قبلہ تبدیل کرنے اور محکم پالیسیوں سے انحراف کے مترادف تھا۔ اب قبائلی علاقہ جات میں "War on Teror" کے نام پر اپنے شہریوں کا خونِ ناحق بہایا جا رہا ہے اور اس جنگ کا مقصد صرف اور صرف امریکہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ عید کا دن بھی قبائلی علاقہ جات کے رہائشیوں پر قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا، جب پاکستانی طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹر اپنی بمباری سے ہنستے بستے گھروں کو قبرستان میں تبدیل کر رہے تھے۔ اس جنگ کی حقیقت کا اظہار وزیرخارجہ خورشید احمد قصوری کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ ”اگر ہم نے قبائلی علاقوں سے فوجیں واپس بلالیں تو نیٹو افواج چین سے نہیں بیٹھیں گی۔“ وزیرخارجہ کے بیان سے گویا یہ حقیقت ظاہر ہوگئی کہ یہ جنگ امریکی اور نیٹو افواج کی ”بدمعاشی“ کے خوف سے لڑی جا رہی ہے۔ اور قبائلی عوام ناحق اس جنگ کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس بزدلانہ پالیسی سے ملک میں استحکام تو نہیں آ سکتا، البتہ اس سے موجودہ حکمرانوں کی حکومت چندسال تک قائم رہ سکتی ہے۔ موجودہ حکومت کا امریکی خوشنودی کے لئے موجودہ

چال چلن، غیرت وحمیت کے تقاضوں کے بھی منافی ہے۔ ملک کا استحکام اسلام کے نفاذ سے وابستہ ہے، جب کہ ہم اس کے الٹ سمت چل رہے ہیں بقول شاعر ۔

رنگ گل کا سلیقہ ہے، نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے

ایک جانب ہمارا چلن اور دوسری جانب ہمارے ہمسائے ملک کے حالات دیکھئے، بھارت کبھی بھی امریکہ کے گھڑے کی مچھلی نہیں رہا۔ سرد جنگ کے زمانے میں بھی بھارت سوویت یونین کا منظور نظر تھا۔ مگر ہمیشہ امریکہ پاکستان کے مقابلے میں بھارت سے بہتر تعلقات کا خواہاں رہا۔ حال میں امریکہ نے بھارت کی موجودہ حکومت سے ایٹمی دفاعی معاہدہ کیا تھا۔ اگر ایسا معاہدہ ہمارے حکمرانوں کے ساتھ ہوتا تو ہم پھولے نہ سماتے۔ مگر بھارتی حکومت نے ''غیرت ہے بڑی چیز'' کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اپنے عوام کے ردعمل پر امریکہ سے اس معاہدے کو توڑ لیا ہے۔ امریکہ نے اس دفاعی معاہدے کے ٹوٹنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور بھارت کو متنبہ کیا ہے کہ ایسا معاہدہ دوبارہ نہ ہو سکے گا۔ مگر بھارتی حکومت نے اپنے ملک کے عوام کی رائے کو مقدم رکھا ہے اور امریکہ کے معاہدے کو پرکاہ کی وقعت بھی نہیں دی۔ دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے کہ پورے ملک کے عوام بلوچستان، قبائلی علاقہ جات اور لال مسجد اسلام آباد میں امریکی خوشنودی کے لئے ہونے والے، ''فوجی آپریشنز'' کی وجہ سے امن وامان کی مخدوش صورتحال سے دوچار ہیں اور حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ امریکی مقاصد کے لئے اپنے عوام کا خون نہ کرے اور یہ مطالبہ ملک کے ذی شعور اور فہیم عناصر نے بھی متعدد مرتبہ دہرایا ہے مگر حکومت کی پالیسی وہی ہے کہ ''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا''۔ لہٰذا میں حکومت سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ''زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھے''۔ اور ''اپنی خودی پہچان او غافل افغان'' کے مصداق ہم اپنی حیثیت کو پہچانیں اور اولاً اللہ سے گڑگڑا کر اپنی پالیسیوں پر یوٹرنز کے عظیم گناہوں پر معافی مانگیں اور کرپشنز کی معافیوں پر قومی مفاہمت کرنے کی بجائے رب تعالیٰ سے مفاہمت کی فکر کریں جو ہماری بداعمالیوں اور بدعہدیوں کی وجہ سے ناراض ہے۔ اور رب سے مفاہمت کی ایک ہی شرط ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلامی تعلیمات کو حرزِ جان بنائیں ورنہ ۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اور اگر ہم نے رب کی جانب مفاہمت کے لئے فوری پیش رفت نہ کی تو خاکم بدہن ملک کے مزید حصے بخرے ہو جائیں گے جس کے لئے موجودہ حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فضا بے حد سازگار ہو گئی ہے۔ یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے میں ہم نے دین دار طبقے کو مقامی طالبان قرار دے کر ایک تقسیم کی حد مقرر کر دی ہے اور اس تقسیم میں بلوچستان کا شمال مشرقی حصہ بھی موجود ہے۔ بلوچستان میں دوسری تقسیم قوم پرستوں کی صورت میں موجود ہے۔ سندھ میں مہاجر اور سندھی کی آگ کو کسی وقت بھی ملک دشمن قوتیں بھڑکا سکتی ہیں۔ پنجاب میں بھی سیکولر اور غیر سیکولر طبقات کی تقسیم پیدا کر دی گئی ہے۔ ان حالات میں ملک تیزی سے تباہی کی جانب بڑھ رہا ہے۔

وطن کی فکر کر ناداں، مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

لہٰذا ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کے لئے ''سیکیورٹی رسک'' سیاستدانوں اور ''لٹیروں'' سے نام نہاد قومی مفاہمت نہ کی جائے اور حقیقی اور واقعی مفاہمت کی جانب پیش رفت کی جائے جو صرف اور صرف رب سے ہو سکتی ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی اسلام آباد شمالی کے رفیق محبوب خان کی والدہ رحلت فرما گئیں
☆ حلقہ پنجاب شمالی کے رفیق تنظیم عبدالستار علوی کے والد وفات پا گئے
☆ بہاولپور کے رفیق تنظیم حاجی محمد مظفر کے والد انتقال کر گئے
☆ بھچی والا رفیق تنظیم عبدالغفور کی زوجہ وفات پا گئیں
☆ حلقہ سرحد جنوبی کے رفیق نعیم اختر کی ہمشیرہ انتقال کر گئیں
☆ تنظیم اسلامی پشاور کے رفیق محمد اصغر ملک کی خالہ وفات پا گئیں
☆ ہارون آباد کے رفیق تنظیم حافظ لیاقت علی کے والد انتقال کر گئے
☆ حلقہ بہاولپور کے رفیق تنظیم محمد اشرف کی والدہ وفات پا گئیں

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

پریس ریلیز 20 اکتوبر 2007ء

پاکستان پر امریکہ اور اُس کے حامیوں کی دوطرفہ یلغار ملک کی نظریاتی اساس کے خلاف تہذیبی اور ثقافتی جنگ کا حصہ ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ کراچی میں سابق وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو کی استقبالیہ ریلی میں جو دو نہایت تباہ کن بم دھماکے ہوئے ہیں وہ ہر اعتبار سے نہایت افسوس ناک اور حد درجہ قابل مذمت ہیں۔ اگرچہ اس امر کا تعین کم از کم فوری طور پر تو ناممکن ہے کہ یہ بم دھماکے کس نے کرائے۔ تاہم بحیثیت مجموعی ایسے واقعات جس صورتِ حال کی نشاندہی کر رہے ہیں وہ نہایت تشویشناک ہے۔ پاکستان پر امریکہ اور اس کے حامیوں کی جو دوطرفہ یلغار ہے اس کا ایک محاذ ملک کا جنوبی سرا ہے اور دوسرا محاذ شمالی سرا۔ جنوب کی جانب سے خالص سیکولرازم اور نام نہاد مغربی تصور روشن خیالی کی یلغار ہے۔ جس کی قیادت اس وقت پیپلز پارٹی اور MQM کر رہے ہیں اور یہ درحقیقت پاکستان کی نظریاتی اساس کے خلاف تہذیبی اور ثقافتی جنگ ہے جو امریکہ اور اس کے حواری جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ملک کے شمال میں امریکہ کی اسلام دشمنی اور عالم اسلام پر اس کے بے تحاشہ مظالم کے خلاف ردعمل کے طور پر جو غم وغصہ پیدا ہوا ہے، جس میں ملک میں شریعت اسلامی کے نفاذ کا جذبہ بھی شامل ہو گیا ہے اسے بھی امریکہ اور اس کے اتحادی مزید ہوا دے کر پاکستان میں اپنی براہِ راست فوجی دراندازی کا جواز فراہم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور اس کا آخری ہدف پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو ختم یا غیر مؤثر کر کے پاکستان کو بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دینا ہے۔ دوسری طرف یہ صورتِ حال بہت تکلیف دہ ہے کہ عوام میں اسلام کے ساتھ جذباتی لگاؤ تو ہے لیکن کوئی مضبوط سیاسی قوت یا عوامی تحریک موجود نہیں ہے جو پاکستان پر نیو ورلڈ آرڈر یعنی یہودیوں کے عالمی مالیاتی استعمار کے سیلاب کا راستہ روک سکے۔ ان حالات میں پاکستان کی سلامتی اور اُس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کی صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے جو کبھی علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے دیکھا تھا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

دینی حلقوں میں مداہنت کا رجحان

محمد سمیع

ہمارے دین نے ہمیں استقامت کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک جنہوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر استقامت اختیار کی (یعنی اس پر ڈٹ گئے گویا کہ اس مصرعے کے مصداق بن گئے کہ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم یعنی اب جو ہو سو ہو، ہم نے اپنی کشتی تو پانی میں ڈال ہی دی ہے) ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غمزدہ ہو اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (سورۂ حم السجدہ)

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اس حکم ربانی پر بالفعل عمل کر کے دکھایا۔ مکی زندگی میں جب مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ ہر قسم کا تشدد برداشت کرو لیکن جوابی کاروائی کے طور پر اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤ بلکہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو البتہ اپنے موقف پر ڈٹے رہو، خود حضور ﷺ سمیت آل یاسرؓ، حضرت بلالؓ اور خباب بن ارتؓ سمیت نہ جانے کتنے صحابہ کرامؓ نے اس ارشاد ربانی پر عملی مثال قائم کر دی۔ حضور ﷺ کو کفار و مشرکین کی طرف سے اپنی دعوت میں نرمی کی کوششوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ ''یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپؐ مداہنت اختیار کریں تو یہ بھی آپ کی دعوت کے معاملے میں مداہنت اختیار کر لیں گے لیکن آپؐ (دعوت کو) جھٹلانے والوں کی بات ہرگز نہ مانیں۔'' (سورۃ القلم)۔ ہم سب کو بالعموم اور دینی حلقوں کو بالخصوص یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بالفعل ایسا نہیں ہے اور میں یہ بات اپنے مشاہدات کی بنیاد پر عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

مثلاً ایک مخصوص مکتبۂ فکر مروجہ قرآن خوانی کو بدعت قرار دیتا تھا کیونکہ خیر القرون میں ایسے کسی عمل کا سراغ نہیں ملتا اور ہمارے لئے عمل کے اعتبار سے رہنمائی خیر القرون میں ہی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے، جسے ہمارے ائمہ حضرات اپنے جمعہ کے خطبہ میں دہراتے رہتے ہیں، مفہوم یہ ہے کہ بہترین دور میرا ہے اور پھر اس کے بعد کا اور پھر اس کے بعد کا۔ اس سے جمہور علماء دور نبوت و خلافت اور دور تابعین اور تبع تابعین مراد لیتے ہیں۔ بتدریج وہی مکتبہ فکر قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کرنے لگا اور اکثر ان کی مساجد میں لوگوں کے انتقال کے موقع پر قرآن خوانی کا انعقاد ہونے لگا ہے۔ دینی حلقوں کے طرز عمل میں تبدیلیوں کا اثر عوام میں الجھن پیدا کرتا ہے۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ یا تو ان کا پہلا طرز عمل یعنی مخصوص کاموں کو بدعت قرار دینا غلط تھا، جس سے اب انہوں نے رجوع کر لیا ہے یا ان کا موجودہ طرز عمل غلط ہے۔ اس سے دین کے احکامات کے بارے میں عوام میں شکوک پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ بات انتہائی خطرناک ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا ''اور حقیقت یہ ہے کہ

> **دینی حلقوں کی مداہنت سے عوام الجھن میں مبتلا ہیں، دینی احکامات کے بارے میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں، جو انتہائی خطرناک بات ہے**

اگلوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' دینی حلقوں کو سمجھنا چاہئے کہ ان کے اس طرز عمل کے نتیجے میں شدید اندیشہ ہے کہ عوام ''اضطراب انگیز شک'' میں مبتلا ہو جائیں گے۔

آج کا دور مادہ پرستی کا دور ہے اور لوگوں کا مقصد زندگی پیسے کمانا رہ گیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ پیسے جائز ذرائع سے آ رہے ہیں یا ناجائز ذرائع سے۔ اپنی مصنوعات کو فروغ دینے کے لئے اشتہارات کا سہارا لیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اشتہار پر اٹھنے والے اخراجات کو Cost of production میں ہی شامل کیا جاتا ہے۔ گویا کاروباری حضرات اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اخراجات کا بوجھ بھی صارف پر ڈال رہے ہیں۔ نہ تو حکومتیں اس کا نوٹس لیتی ہے اور نہ ہی صارفین خود اس کی پروا کرتے ہیں۔ یہ عجیب المیہ ہے، شاید ہی کوئی اشتہار ایسا ہو جس میں عورت کو استعمال نہ کیا جاتا ہو حتیٰ کہ ان چیزوں کے اشتہارات میں بھی جو مردوں کے زیر استعمال ہوتی ہیں۔ دینی حلقوں کی جانب ہی سے نہیں بلکہ معاشرے کے فہیم عناصر کی جانب سے بھی اس پر اعتراض ہوتا رہتا ہے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ بعض اوقات یہی حرکت خود دینی حلقوں سے بھی سرزد ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے اعتراض کو خود باطل کر دیتے ہیں اور کاروباری حضرات کو موقع مل جاتا ہے کہ اس سے چھوٹ پا کر اپنی اس مذموم حرکت کو جاری رکھیں۔

ایک موقع پر پاکستان کی سب سے بڑی دینی جماعت کے نمائندہ اخبار نے جو اپنے آپ کو اسلامی انقلاب کا نقیب کہتا ہے، اپنے اخبار میں ایک ایسا اشتہار شائع کیا تھا جس میں ایک خاتون کی تصویر موجود تھی۔ میں اس زمانے میں اس جماعت میں شامل تھا، اس کے مقامی امیر کو جو اس اخبار کے نگران بھی تھے، میں نے اس پر متوجہ کیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے تحریری طور پر اس غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر معذرت کی اور یقین دہانی کروائی کہ آئندہ اس قسم کا اشتہار ان کے اخبار میں شائع نہیں ہوگا اور واقعہ یہ ہے کہ تا حال کوئی ایسا اشتہار کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ ابھی حال ہی میں ایک اشتہار کو دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی جو زکوٰۃ کے حوالے سے اخبار میں ایک خاتون کی تصویر پر مشتمل تھا۔ بے شک وہ ایک باپردہ خاتون کی تصویر تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ایسے ادارے کو جس کا تعلیم القرآن کے حوالے سے بین الاقوامی نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے ایسے اشتہار شائع کروانے کی ضرورت ہی کیا آن پڑی تھی۔ کیا خاتون کی تصویر زکوٰۃ کی اپیل کے لئے ناگزیر ہو گئی ہے۔ کیا لوگ ایک دینی فریضہ بغیر کسی خاتون کی تصویر دیکھے ادا نہیں کر سکتے۔

ہمارے ملک کو جس تیزی کے ساتھ آج سیکولرازم کی راہوں پر لے جانے کی کوشش ہو رہی ہے، ایسے میں دینی حلقوں پر بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ نہ صرف دینی بلکہ ایسے خدمت خلق کے ادارے جو دینی حلقوں کی نگرانی میں چل رہے ہیں، کی کارکردگی انتہائی مایوس کن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مغربی دنیا اور ترکی کی اسلامی تحریک

سید قاسم محمود

ترکی میں احیائے اسلام کی بڑھتی ہوئی تحریک نے تمام سیاسی رہنماؤں، مدبروں اور دانشوروں کے اندازے غلط ثابت کردیئے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر مذہبی طبقے اور اسلامی تحریک کو مقبولیت حاصل ہورہی ہے تو اس کی وجہ عوام کا مذہبی جذبہ اور احیائی رجحان نہیں ہے، بلکہ بعض معاشرتی وسیاسی عوامل ہیں جو اس کے بنیادی اسباب ہیں۔ مثال کے طور پر مصنف اور دانشور شیئن اوزک نے لکھا:

"موجودہ مذہبی بیداری اوسط درجے کے تاجروں، صنعت کاروں اور اناطولیہ کے عوام کے مفادات کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، کیونکہ ڈیموکریٹک پارٹی اور جسٹس پارٹی اونچے طبقے کے تاجروں، جاگیرداروں، صنعتکاروں اور اوسط درجے کے تاجروں کو 1970ء تک ہی اپنی حمایت اور تائید میں رکھ سکیں۔ ساتویں دہائی میں سرمایہ داری اور صنعت کاری اس قدر عروج پر پہنچ گئی کہ شہروں میں آباد اونچے طبقے کے تاجروں اور دیہات میں آباد اوسط درجے کے تاجروں کے مفادات کے درمیان ہم آہنگی اور توازن برقرار رکھنا ان سیاسی پارٹیوں کے لیے ممکن نہ رہا۔ چنانچہ موخرالذکر طبقے نے "ملی سلامت پارٹی" تشکیل دی۔"

مذہبی بیداری کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ یہ دراصل دیہات سے شہروں کی طرف عوام کی نقل مکانی اور دو مختلف تہذیبوں اور روایات و اقدار کے مابین تصادم کا نتیجہ ہے۔ ملی سلامت پارٹی گویا پہلی سیاسی جماعت تھی جس نے احیائے اسلام کا پرچم بلند کیا۔ ملی سلامت پارٹی کے بعد رفاہ پارٹی نے اسلامی تحریک کو مزید آگے بڑھایا، جس نے مارچ 1994ء کے بلدیاتی انتخابات میں غیر معمولی کامیابی حاصل کر کے اہلِ مغرب کو خوف زدہ کر دیا اور حیران وششدر بھی۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلام اور تحریک اسلامی کو عالمی پیمانے پر دہشت گرد، رجعت پسند، متعصب اور بنیاد پرست قرار دیا جارہا ہے اور حق وانصاف کی آواز بلند کرنے والے مسلمانوں کی بھیانک تصویر پیش کی جارہی ہے، مغرب کو ترکی میں اپنے مفادات اور مصلحتیں بھی خطرے میں نظر آرہے ہیں اور ترکی مسلمانوں کے استحصال کے مواقع رفتہ رفتہ کم ہوتے جارہے ہیں۔ لہٰذا مغرب کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ اس سے پہلے کہ ترکی میں تحریکِ اسلامی مستحکم ہو اور وہ دنیائے اسلام میں ایک فعال وموثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوجائے (جیسا کہ ماضی میں سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں وہ اُمت کی قیادت کرتا رہا ہے) اُس تحریک کو دبانے اور کچلنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اور حربہ اختیار کیا جائے۔

27 مارچ 1994ء کے بلدیاتی انتخابات میں رفاہ پارٹی کی غیر متوقع اور غیر معمولی شاندار کامیابی کے بعد یورپ اور امریکا کے اخبارات و جرائد، سیاسی و سماجی مطالعات کے اداروں، دفاعی تجزیہ نگاروں اور تھنک ٹینکوں میں پروفیسر نجم الدین اربکان کی شخصیت، اُن کی رفاہ پارٹی کے افکار ونظریات، مستقبل کے عزائم اور منصوبے، مغرب کے لیے اُن کا رویہ اور رجحانات، اُن کی غیر معمولی اسلام پسندی اور اسلامی تحریک سبھی کچھ زیر بحث آئے۔

> **ترکی کے دستور کی دفعہ 24 کے مطابق ان الفاظ اور علامات کا استعمال جو مذہب کی نظر میں مقدس ہیں قانون کی نگاہ میں جرم ہے**

مغربی ممالک کے سفیر، ایلچی اور خفیہ قاصد رفاہ پارٹی کے رہنماؤں اور بلدیات کے صدور کی خدمت میں پہنچنے لگے اور ظاہر وخفیہ استفسارات وسوالات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ پروفیسر اربکان کے بقول اِن تمام قاصدوں اور نامہ نگاروں کے سوالات کا مرکز ومحور ایک ہی نکتہ ہوتا تھا کہ حکومت پر قابض ہونے کے بعد وہ اور اُن کی پارٹی ترکی میں کیا بنیادی تبدیلیاں لانے کا ارادہ رکھتی ہے؟

مغرب کے اس بنیادی اور مرکزی سوال کے جواب میں پروفیسر اربکان نے بڑی وضاحت سے ترکی کے سیاسی حالات اور تبدیلیوں پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ہم بنیادی طور پر تین قسم کی تبدیلیوں کا عزم رکھتے ہیں: اقتصادی تبدیلیاں، مذہبی تبدیلیاں اور خارجہ پالیسی میں تبدیلیاں

1۔ اقتصادی تبدیلیاں

پروفیسر اربکان نے فرمایا: "معاشی میدان میں اہم اور بنیادی تبدیلی رونما ہوگی۔ ترکی معاشی اعتبار سے پسماندہ اور یورپی یونین کا کمزور شریک کار ہے۔ وہ مسلسل مغربی ممالک کے سامنے قرضوں اور امدادوں کی بھیک کے لیے دستِ سوال دراز کرتا رہتا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ اس کی حیثیت ایک طاقتور شریک کار کی ہو اور وہ قرضوں کی ادائیگی سے جلد از جلد نجات پائے...... ترکی کی سیاسی جماعتیں مغرب کی مقلد ہیں اور یہ اِن دونوں کی ملی بھگت کے کارنامے ہیں کہ ملک اقتصاد کے میدان میں دیوالیہ ہو گیا ہے اور قرضوں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کے سالانہ سُود کی ادائیگی بھی ترکی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ رفاہ پارٹی اِس صورتِ حال کو یہیں روک دینا چاہتی ہے۔ ہم ملکی پیداوار کی افزائش اور اس کی حوصلہ افزائی پر یقین رکھتے ہیں۔ ترقی میں اقتصادی ترکی کی راہ میں کئی رکاوٹیں ہیں، سب سے بڑی رکاوٹ اس کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔"

پروفیسر اربکان کو اقتصادی بدحالی پر تشویش اس لیے ہے کہ ترکی ابتدا ہی سے یورپ کی مشترکہ منڈی کا رُکن رہا ہے۔ 60 فیصد ترکی تجارت یورپی ممالک کے ساتھ ہے اور ترکی میں باہر سے آنے والی تجارتی اشیاء کا 70 فیصد یورپی ممالک سے درآمد ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ترکی غیر ملکی مال تجارت کی بہترین منڈی بنا ہُوا ہے اور اس کی اپنی پیداوار کی کھپت نہیں ہو پا رہی۔

بعض ترکی ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ یورپی یونین میں ترکی کی شرکت سے ملکی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ اس کی پیداوار کا معیار بھی بڑھے گا اور ترکی اشیاء کی کھپت بیرونی منڈیوں میں بھی ہو سکے گی، جبکہ ایک بڑا طبقہ اس نقطۂ نظر کا مخالف ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یورپی یونین میں شمولیت سے ترکی اقتصادیات پر بہت بُرا اثر پڑے گا، کیونکہ بیرونی اشیاء قیمت میں سستی اور تعداد میں بکثرت ہوں گی۔ اس صورت میں بے کاری اور بے روزگاری بڑھے گی اور یورپی یونین کسی قسم کی کوئی مالی امداد ترکی کو فراہم نہ کرے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ یورپی یونین کی طرف سے یونان، اسپین اور پرتگال وغیرہ ملکوں نے اربوں ڈالر اپنی اقتصادی بہتری کے لیے حاصل کیے، لیکن اس فنڈ سے ترکی خزانے میں ایک ڈالر بھی داخل نہ ہوسکا۔

یہی وجہ ہے کہ پروفیسر اربکان یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت کے مسئلے پر سخت مضطرب رہتے تھے، کیونکہ

یورپ نے ترکی کو ایک باوقار اور مساوی شریکِ کار کی حیثیت میں کبھی تسلیم نہیں کیا۔

2۔ عقیدہ و آزادیٔ اظہار کے میدان میں

دوسری اہم تبدیلی پروفیسر اربکان نے عقیدہ و مذہب اور اظہار رائے کی آزادی کے میدان میں تجویز کی، کیونکہ ترکی ایک سیکولر جمہوری ملک ہونے کے باوجود بدترین قسم کی آمریت اور کمالی استبداد کے شکنجے میں مبتلا رہا ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے آزادیٔ فکر ونظر اور مغربی اقدار و افکار کی تقلید وحمایت کی بات تو ضرور کی اور مغربی تہذیب و ثقافت کا علم بردار بھی رہا، مگر عملاً اُس نے آمریت، مطلق العنانی، استبداد اور خودرائی کی بدترین مثال قائم کی۔ اسلام کے خلاف شرمناک پروپیگنڈا کیا۔ علمائے اسلام کی تکذیب کی مہم چلائی۔ عربی زبان و ثقافت کے خلاف باضابطہ تنظیم وتحریک کی قیادت کی اور سیکولرازم اور جمہوریت کا مفہوم ومنشا صرف لادین عناصر اور طبقوں کے لیے مخصوص رکھا۔ اُس کے زیر اثر بعد کی حکومتوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیے رکھا۔ آئین کو خلافِ مذہب بنائے رکھنے پر اصرار تمام سیاسی جماعتوں کو بھی ہے۔ اسی لیے پروفیسر اربکان نے عقیدہ وفکر کی آزادی کو بہت بنیادی قرار دیا۔ اُنہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں اس کی وضاحت کرتے

پارلیمنٹ میں یہ شرمناک منظر دیکھنے کو ملتا ہے کہ اراکین میز اور ڈسک بجا بجا کر بولنے والے کو خاموش کر دیتے ہیں۔

ترکی جمہوریہ کے دستور کی دفعہ 24 میں جو بات کہی گئی ہے، وہ دنیا کے کسی دستور میں موجود نہیں ہے اور یہ انتہائی افسوسناک ہے۔ دستور کی عبارت یہ ہے: ''وہ الفاظ اور عبارتیں جو مذہب کی نظر میں مقدس ہیں، اُن کا استعمال قانون کی نگاہ میں جُرم ہے۔'' نیز یہ کہ ''حکومت کے کسی جُزو یا بنیاد یا ادارے کو مذہب سے ہم آہنگ کرنا ممنوع ہے۔''

اِس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کا کوئی حوالہ، خواہ وہ عوام کے مفادات کا محافظ ہو، جرم ہے اور اگر اِس حوالے کا کوئی تعلق دین وشریعت سے نہیں ہے تو اس پر ہر طرح کی گفتگو جائز اور قانونی ہے۔ یہ چیز سیکولرازم کے اُصولوں کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی سفارت کار جب ہماری یہ باتیں سنتے اور دیکھتے ہیں تو اُنہیں حیرت ہوتی ہے، کیونکہ اُن کے سربراہانِ مملکت تو انجیل پر حلف اٹھاتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اِس کی قسم کھاتے ہیں۔ اُن کے نظامِ حکومت کے سیکولر ہونے کے باوجود اُن کے کلیسا کا سیاست میں بھی کردار ہوتا ہے۔''

ترک پارلیمنٹ کی کھلی مذہبی دشمنی کی مثال دینے کے لیے پروفیسر اربکان نے خود اپنا واقعہ سنایا:

> **پروفیسر اربکان یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت کے مسئلے پر سخت مضطرب رہتے تھے، کیونکہ یورپ نے ترکی کو ایک باوقار اور مساوی شریکِ کار کی حیثیت میں کبھی تسلیم نہیں کیا**

ہوئے فرمایا: ''رفاہ پارٹی (حزب الرفاہ) برسراقتدار آنے کے بعد تمام انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص عقیدہ وفکر کی آزادی سے ہم کنار کرے گی۔ وہ کسی خوف اور تردد کے بغیر اپنے نصب العین اور نظریے کا اعلان کر سکیں گے۔ سیکولر طبقہ ملک میں سقوطِ خلافت کے بعد ہی سے برسراقتدار رہا ہے اور اِن حضرات کے نزدیک سیکولرازم کا مفہوم اب تک یہ رہا ہے کہ مذہب سے کھلی دشمنی کی جائے، جبکہ اہلِ مغرب کے نزدیک سیکولرازم کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے۔ یورپ اپنے سیکولر نظام میں دین وعقیدہ کی پوری آزادی دیتا ہے، بلکہ وہ آزادیٔ عقیدہ کے محافظ ہونے کا مدعی بھی ہے۔ ترکی کا معاملہ اس سے مختلف ہے...... مثلاً اگر کسی سرکاری اجلاس میں یا پارلیمنٹ میں کوئی شخص کسی موضوع پر بات کرے اور بحث کے دوران ارسطو، افلاطون وغیرہ یونانی فلاسفہ سے استدلال کرے تو لوگ توجہ اور سکون سے سنتے ہیں، لیکن اگر کسی قرآنی آیت یا حدیثِ رسول ﷺ کا حوالہ دے تو اعتراض، احتجاج، الزام شروع ہو جاتا ہے، اور

''حزب الرفاہ نے قومی اسمبلی میں یہ تجویز رکھی کہ دستور کی اِن دفعات کو تبدیل کر دیا جائے جو انسانوں کو فکر وعقیدہ کی آزادی سے محروم قرار دیتی ہیں۔ ہم نے اِس تجویز پر بحث کرتے ہوئے اراکین پارلیمنٹ سے کہا کہ ترکی دستور میں موجود فقرے دنیا کے کسی دستور میں نہیں پائے جاتے، کیونکہ دنیا کے تمام دساتیر، جن کی تعداد 160 ہے، حریتِ عقیدہ اور آزادیٔ مذہب کی ضمانت دیتے ہیں، تو کیوں نہ ہم دستور کی دفعہ 24 کی جگہ امریکی دستور کی وہ عبارت رکھ لیں جو مذہب وعقیدہ کی آزادی سے متعلق ہے۔ امریکا سیکولرازم کی جائے پیدائش ہے اور آپ بیشتر چیزوں میں امریکا کی تقلید کرتے ہیں، کیوں نہ اس معاملے میں آپ امریکا ہی کو نمونہ بنالیں؟ ہم نے امریکی دستور کی فوٹو کاپی حاصل کی اور اُسے اُس مخصوص کمیٹی کے ارکان میں تقسیم کر دیا جو اس کام کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اراکین کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امریکی دستور کا دیباچہ اِن الفاظ سے شروع ہوتا ہے: ''ہم قادرِ مطلق، خداوند کے نام سے اس دستور کا آغاز کرتے ہیں''۔ اسی طرح کے دوسرے جملے بھی انہوں نے دیکھے، مثلاً ڈالر پر چھپا ہوا یہ جملہ: ''ہم گاڈ پر ایمان رکھتے ہیں''۔ جب اراکین نے اس طرح کے جملے دیکھے تو برجستہ پکار اٹھے کہ ہمیں امریکی دستور منظور نہیں...... ہم نے پوچھا، سوئٹزرلینڈ کے دستور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (جاری ہے)

✿✿✿✿✿

بقیہ: کالم آف دی ویک

کے ساتھ لڑائی میں عام لوگوں کا نقصان نہ ہو۔ فقیر ایپی پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی کتاب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ 9 اپریل 1937ء کو برطانوی ایئر فورس نے دتہ خیل اور میر علی کے آس پاس اشتہار گرائے اور خبردار کیا کہ 12 اپریل کو کھجوری اور سیدگی کے درمیان بمباری ہوگی لہٰذا مقامی لوگ کہیں اور چلے جائیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وزیرستان میں آج بھی انگریزوں کے طریقے استعمال کئے جا رہے ہیں لیکن انداز انگریزوں والا نہیں ہے۔ سات اکتوبر 2007ء کو میر علی اور آس پاس کے علاقوں پر کسی اطلاع کے بغیر بمباری کی گئی۔ حکومت نے دعویٰ کیا کہ اس بمباری کا مقصد غیر ملکی دہشت گردوں کو ہلاک کرنا تھا لیکن کسی ایک غیر ملکی کی لاش میڈیا کے سامنے نہیں لائی گئی...... 1937ء کی بمباری نے انگریزوں کے خلاف فقیر ایپی کی تحریک کو مزید آگے بڑھایا تھا اور 2007ء کی بمباری نے شمالی وزیرستان کے عسکریت پسندوں کو غصے اور نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے نوجوانوں کی ایک نئی کھیپ مہیا کی ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمارے اربابِ اختیار شمالی وزیرستان میں وہی غلطیاں کر رہے ہیں جو امریکہ نے عراق اور بھارت نے کشمیر میں کیں۔ نجانے ان اربابِ اختیار نے لال مسجد آپریشن سے کوئی سبق کیوں نہیں سیکھا؟ چند لبرل فاشسٹوں کی خوشی کے لئے لال مسجد آپریشن کیا گیا جس نے مزید تشدد اور خودکش حملے آور پیدا کئے۔ لبرل فاشسٹوں کو خوش کرنے کا سلسلہ جاری رہا تو شمالی وزیرستان میں بھڑکائی جانے والی آگ کو لاہور اور کراچی تک پھیلنے سے روکنا آسان نہ ہوگا۔

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

بیروت سے بنوں تک

حامد میر

عید کا دوسرا دن تھا۔ بنوں شہر کے ایک اسکول کی عمارت میں پناہ لینے والے شمالی وزیرستان کے مہاجرین مجھے اپنی تباہی کی داستانیں سنا رہے تھے۔ اکثر مہاجرین کا تعلق شمالی وزیرستان کی تحصیل میر علی سے تھا۔ عید سے چند دن پہلے میر علی کے مرکزی بازار اور آس پاس کے قصبوں پر ہونے والی بمباری سے سینکڑوں لوگ مارے گئے اور ہزاروں لوگ خوف و ہراس کے عالم میں محفوظ مقامات کی طرف بھاگے۔ دس اکتوبر کو میر علی کے قریب ایک گاؤں اپی میں پچاس افراد کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اپی کا ایک زخمی بچہ مجھے بنوں کے ڈسٹرکٹ ہاسپٹل میں ملا۔ چھ سات سال کے اس بچے کا چہرہ بم کا ٹکڑا لگنے سے بُری طرح متاثر ہوا تھا۔ ساتھ والے بستر پر ایک زخمی بزرگ پڑا ہوا تھا۔ اس بزرگ نے مجھے بتایا کہ اس بچے کا نام عبداللہ ہے اور یہ بول چال سے قاصر ہے۔ اس بچے کا باپ بمباری میں مارا گیا، زخمی ماں اسے اٹھا کر یہاں تک پہنچی اور چند گھنٹوں کے بعد چل بسی۔ اس بزرگ نے کپکپاتے ہونٹوں اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ کہا کہ 1937ء میں وہ اس معصوم بچے کی عمر کا تھا اس وقت بھی اپی گاؤں پر بمباری ہوئی تھی، اس وقت بھی کئی لوگ مارے گئے تھے لیکن فرق یہ ہے کہ 1937ء میں اپی گاؤں پر برطانوی ایئر فورس کے طیاروں نے بمباری کی اور گاؤں والوں نے بڑے حوصلے اور فخر سے اپنے شہداء کو دفن کیا لیکن 2007ء میں اپی گاؤں پر پاکستان ایئر فورس نے بمباری کی اور جب شہداء کو دفن کیا جا رہا تھا تو جذباتی نوجوان برطانوی سامراج کی بجائے پاکستانی فوج کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔

بنوں شہر کے مختلف علاقوں میں شمالی وزیرستان کے مہاجرین کی حالت زار دیکھنے اور ہاسپٹل میں زخمیوں کی عیادت کے دوران مجھے بار بار لبنان یاد آتا رہا۔ پچھلے سال جولائی میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا تو عذر پیش کیا کہ حزب اللہ کے گوریلے جنوبی لبنان کے سرحدی علاقوں سے اسرائیلی فوج پر حملے کرتے ہیں لہٰذا اسرائیل نے پورے جنوبی لبنان کو بمباری سے تباہ و برباد کر دیا۔ جنوبی لبنان کے مہاجرین اپنے ہی وطن میں بے گھر ہو کر بیروت کے مغربی اور مشرقی علاقوں میں پہنچے، جہاں انہوں نے اسکولوں کی عمارتوں میں پناہ لی۔ ان اسکولوں میں پناہ لینے والے لبنانی مہاجرین کی کہانیوں اور بنوں کے اسکولوں میں پناہ لینے والے شمالی وزیرستان کے مہاجرین کی کہانیوں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ لبنانی مہاجرین اسرائیل اور حزب اللہ کی لڑائی میں تباہ ہوئے اور شمالی وزیرستان والے پاکستانی فوج اور مقامی طالبان کی لڑائی میں تباہ ہو رہے ہیں۔ بیروت کے اسپتالوں میں زخمی عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے والوں میں ریڈ کراس کے علاوہ عبدالستار ایدھی بھی نظر آتے تھے لیکن بنوں میں شمالی وزیرستان کے تباہ حال مہاجرین کی خبر گیری کرنے والوں میں جماعت اسلامی اور الرحمت ٹرسٹ کے علاوہ کوئی تیسرا نظر نہیں آیا۔ جماعت اسلامی والوں نے بنوں شہر میں

> زخمی بزرگ نے کپکپاتے ہونٹوں اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ کہا: 1937ء میں اپی گاؤں پر برطانوی ایئر فورس کے طیاروں نے بمباری کی اور گاؤں والوں نے بڑے حوصلے اور فخر سے اپنے شہداء کو دفن کیا لیکن 2007ء میں اپی گاؤں پر پاکستان ایئر فورس نے بمباری کی اور جب شہداء کو دفن کیا جا رہا تھا تو جذباتی نوجوان پاکستانی فوج کے خلاف نعرے لگا رہے تھے

مہاجرین کے تین کیمپ قائم کئے۔ جماعت اسلامی ضلع بنوں کے امیر مطیع اللہ جان ایڈووکیٹ سے میں نے پوچھا کہ شمالی وزیرستان کے منتخب رکن قومی اسمبلی کا تعلق جمعیت علماء اسلام (ف) سے ہے لیکن ان کی جماعت کہیں نظر نہیں آ رہی۔ یہ سوال سن کر مطیع اللہ جان نے نظریں جھکا لیں اور موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگے کہ ان متاثرین کا تعلق شمالی وزیرستان کے داوڑ قبیلے سے ہے جو میر علی کے گرد و نواح میں آباد ہے، یہ بڑے غیرت مند لوگ ہیں اور مشکل ترین حالات میں بھی کسی سے مدد نہیں مانگتے، لہٰذا یہ بمشکل دو تین دن ہمارے کیمپوں میں ٹھہرتے ہیں اور پھر اپنا انتظام کر کے آگے کوہاٹ اور کرک کی طرف چلے جاتے ہیں۔ شمالی وزیرستان میں بمباری کے متاثرین کی اکثریت یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی کہ ان کی تباہی کے ذمہ دار غیر ملکی عسکریت پسند یا طالبان ہیں۔ یہ سب متاثرین اپنی تباہی کی ذمہ داری امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر ڈال رہے تھے۔ جنرل پرویز مشرف کا نام بہت کم سننے میں آیا۔ کافی دیر کے بعد مجھے پتہ چلا کہ داوڑی لوگ اپنے اصلی دشمن کا نام زبان پر لانا پسند نہیں کرتے۔ ڈگری کالج میر علی میں فورتھ ایئر کے ایک طالب علم نے کہا کہ سات اکتوبر سے پہلے وہ عسکریت پسندی کے سخت خلاف تھا اور دن رات اپنی تعلیم میں مگن تھا لیکن سات اکتوبر کی بمباری کے بعد اسے تعلیم میں کوئی دلچسپی نہیں رہی کیونکہ اب اسے اپنے چھوٹے بھائی کے قتل کا بدلہ لینا ہے جو بمباری میں مارا گیا ہے۔ اس نے چیختے ہوئے کہا کہ میرا بھائی صبح سحری کے وقت میر علی بازار میں دہی لینے گیا تھا اور بمباری سے مارا گیا، وہ غیر ملکی دہشت گرد نہیں تھا صرف بارہ سال کا سٹوڈنٹ تھا جو ہر وقت کرکٹ کھیلتا تھا اور شاہد آفریدی کی تصاویر جمع کرتا تھا، میرے بھائی کے قتل کا ذمہ دار سب سے بڑا دہشت گرد ہے اور اب میں اس سے بھی بڑا دہشت گرد بن کر دکھاؤں گا۔ یہ سن کر میرے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی اور میں سوچنے لگا کہ کیا لاہور کراچی کے دانشور نفرت کی اس نئی آگ کا ادراک رکھتے ہیں جس پر آئے دن مزید تیل ڈالا جا رہا ہے؟

بنوں میں شمالی وزیرستان کے مہاجرین کی دکھ بھری کہانیاں سننے کے بعد میں بکا خیل کی طرف روانہ ہوا۔ بکا خیل سے شمالی وزیرستان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ میر علی میں کرفیو ختم ہونے کے باوجود میرانشاہ بنوں روڈ پر مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ مہاجرین میر علی سے نہیں بلکہ دتہ خیل سے آ رہے تھے۔ دتہ خیل سے آنے والے بتا رہے تھے کہ ان کے علاقے میں پاکستانی فوج بکتر بند گاڑیاں اور توپیں لے کر پہنچ گئی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ میر علی کے بعد اگلا آپریشن دتہ خیل میں ہو گا۔ کچھ لوگ بنوں سے واپس میر علی بھی جا رہے تھے لیکن ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنا سامان لے کر واپس جائیں گے۔ اب انہیں کسی امن معاہدے پر اعتماد نہیں کیونکہ حکومت اپنی ضرورت کے مطابق معاہدہ کرتی اور ضرورت کے مطابق توڑتی ہے، ہمارے مفاد کا کسی کو خیال نہیں۔ بکا خیل میں کھلے آسمان تلے ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے تباہ حال خاندان کے ایک فرد نے کہا کہ ہمارے بزرگ انگریزوں کے ظلم کی جو داستانیں ہمیں سناتے تھے اب تو وہ بھی ماند نظر آتی ہیں۔ انگریز ہمیشہ بمباری سے قبل اعلان کرتے، ہوائی جہاز سے ہینڈ بل گراتے اور بمباری کا وقت اور جگہ بھی بتاتے تھے تا کہ فقیر اپی کے مجاہدین (باقی صفحہ 14 پر)

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ میر پور (آزاد کشمیر)

10 ستمبر 2007ء کو بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد تقریباً بیس سال کے طویل وقفہ کے بعد میر پور تشریف لائے۔ ممتاز بینکوئٹ ہال میر پور میں بعداز نماز مغرب آپ نے سامعین کی ایک بڑی تعداد کے سامنے ''رسولؐ انقلاب کا طریق انقلاب'' کے موضوع پر فکر انگیز خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کو سامعین نے پوری توجہ اور دلجمعی سے سنا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس روز میاں محمد نواز شریف کی طویل جلاوطنی سے وطن واپسی کی وجہ سے اکثر سڑکیں خصوصاً جی ٹی روڈ کو پولیس نے بند کر رکھا تھا۔ چنانچہ بانیٔ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد شدید جسمانی مشقت اٹھا کر وقت مقررہ پر جلسہ گاہ پہنچے۔ تنظیم اسلامی میر پور کا یہ پروگرام اسلامک ریسرچ فورم اور ممتاز بینکوئٹ ہال کے تعاون سے انعقاد پذیر ہوا۔

بانیٔ تنظیم اسلامی ہال میں تشریف لائے تو حاضرین نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب خالد عباسی (ناظم حلقہ پنجاب شمالی) نے بانی محترم کی دینی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کا مختصر مگر جامع تعارف کرایا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی بشارت کے مطابق قیامت سے قبل پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا اور دنیا اسلام کے عادلانہ و منصفانہ نظام حکومت کی برکات سے آشنا ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسلامی انقلاب کے لئے ہمیں مسنون لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا، تب ہی ہماری جدوجہد نتیجہ خیز ہو سکے گی۔ آج فرزندانِ توحید کے جذبہ میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن صحیح لائحہ عمل نہ ہونے کے باعث اسلامی تحریکیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی ہیں۔ اسلام کو نظام زندگی کے طور پر نافذ و غالب کرنے کے لئے وہی لائحہ عمل اپنانا ضروری ہے جو چودہ سو سال قبل فخر دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ قیامت سے قبل پوری دنیا میں یہود و نصاریٰ کا ورلڈ آرڈر نہیں بلکہ اسلامک جسٹ ورلڈ آرڈر کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ امریکہ اور اس کے حواریوں کا نیو ورلڈ آرڈر دراصل یہودیوں اور نصرانیوں کا اسلام دشمن ''ورلڈ آرڈر'' ہے جس کا ہدف اسلام اور مسلمانوں کا صفحۂ ہستی سے مکمل خاتمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ سمیت پوری مغربی دنیا پر یہ خوف طاری ہے کہ اگر دنیا بھر کے کسی کونہ میں بھی شرع پیغمبر ﷺ کا عملی ظہور ہو گیا تو ان کے ''صیہونی و نصرانی ورلڈ آرڈر'' کا کیا بنے گا۔ چنانچہ ان کی تمام تر حکمت عملی اسلام کی مخالفت پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ دوسری جانب عالم اسلام کے اندر نظام خلافت کے قیام کے لئے ایک جذبہ انگڑائیاں لے رہا ہے۔ البتہ اس ضمن میں کمی صرف اس بات کی ہے کہ ابھی اس جذبہ بیکراں کو صحیح سمت نہیں مل رہی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے واضح کیا کہ مملکت خداداد کو آج جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے ان کی واحد وجہ اسلامیانِ پاکستان خصوصاً ہمارے حکمرانوں کا ان مقاصد سے انحراف ہے جن کی خاطر یہ عظیم ملک حاصل کیا گیا تھا یعنی اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکت میں قیام اسلام کے مشن سے اعراض۔ انہوں نے کہا کہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے تحریک پاکستان کے دوران متعدد بار واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصولِ حریت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہی بات مفکر و مصور پاکستان علامہ اقبال نے بھی فرمائی تھی۔ غلبۂ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ ہم انقلاب محمدی ﷺ کے مراحل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنا تن من دھن اس کے لئے وقف کر دیں۔ آج مسلم اُمہ مجموعی طور پر جن مصائب و شدائد کا شکار ہے یہ دراصل عذابِ الٰہی کی ایک شکل ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم نے کہ جنہیں اس زمین پر اللہ نے اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا تھا، آسمانی ہدایت اور راہنمائی سے منہ موڑ لیا ہے۔ آج پوری دنیا کے مسلم ممالک میں سے کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں جسے دنیا کے سامنے بطور ماڈل پیش کر کے یہ کہا جا سکے کہ یہ ہے اسلامی ریاست اور یہ ہیں اسلامی نظام کی برکات! آج ہمیں اللہ تعالیٰ سے اپنے ٹوٹے ہوئے تعلق کو بحال کرنے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے عہد کرنا چاہئے کہ ہم اس کے دین کی سربلندی اور اس کے اپنی زندگیوں پر عملی نفاذ کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک حزب اللہ تشکیل دیں جس کی بنیاد بیعت پر ہو اور اس کے ارکان ایمانِ حقیقی، سمع و طاعت، تزکیہ اور صبر کے مراحل طے کرتے ہوئے باطل نظام سے ٹکرا جائیں، یہی واحد راہ ہے جس پر چل کر ہم اسلامی انقلاب کی منزل پا سکتے ہیں اور تنظیم اسلامی وہ واحد جماعت ہے جو اسوہ محمدیؐ پر گامزن ہو کر نظام خلافت کے احیاء کے لئے سرگرم ہے۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے سامعین کے ذوق و شوق اور نظم و ضبط کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں اتنے بھرپور اور منظم اجتماع کی توقع نہ تھی۔ اختتامی دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی تو رات کے دس بج چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی سفری تھکاوٹ کے باعث بعداز خطاب سامعین کے سوالوں کے جوابات دینے سے معذرت کر لی، تاہم اگلی صبح بعداز نماز فجر انہوں نے احباب و رفقاء کے سوالوں کے جواب دیئے۔ اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کی اس مشقت اور رفقاء و احباب کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(مرتب: افتخار احمد)

حلقہ وسطی پنجاب کا دوسرا سہ ماہی اجتماع

تنظیم اسلامی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے رفقاء کو آپس میں میل ملاپ اور ملاقات کے مواقع فراہم کرتی ہے، اس طرح رفقاء کی تربیت بھی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی بھی۔ حلقہ وسطی پنجاب کی سطح پر اِس سلسلے میں 3 اجتماع باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ اس سال اِس سلسلے کا دوسرا سہ ماہی اجلاس جو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہونا تھا، جگہ دستیاب نہ ہونے کی بنا پر جامع القرآن، قرآن اکیڈمی جھنگ میں 18 اگست 2007ء کو منعقد ہوا۔ اجلاس طے شدہ پروگرام کے مطابق ساڑھے سات بجے شروع ہونا تھا، لیکن لیہ اور ٹوبہ کے رفقاء کے لیٹ ہونے کی وجہ سے پروگرام تقریباً سوا آٹھ بجے شروع ہوا۔ استقبالیہ کلمات امیر حلقہ جناب انجینئر مختار حسین فاروقی نے کہے۔ ساڑھے آٹھ بجے امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید صاحب تشریف لائے۔ آپ نے رفقاء کے سوالوں کے جوابات دیئے۔ ایک رفیق نے تنظیم اسلامی کے نظم کے بارے میں سوال کیا۔ دو رفقاء نے جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے تنازعہ کے حوالہ سے تنظیم اسلامی کے کردار کے بارے میں سوالات کئے۔ بعد میں آپ نے ہر رفیق تنظیم کو دو باتوں پر سختی سے عمل کی ہدایت کی۔

1۔ دینی فرائض کی ادائیگی 2۔ نظم کی پابندی۔ آپ کے خطاب کے بعد مرکزی ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بُٹر نے رفقاء سے مختصراً خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ شعوری ایمان اللہ تعالیٰ کو رب مان لینا اور پھر اس پر ڈٹ جانا ہے۔

دس بجے چائے کا وقفہ ہوا۔ ساڑھے دس بجے دوبارہ اجلاس کی کارروائی شروع کی

گئی۔ چوہدری صادق علی صاحب آف لیہ نے اسلام میں عمل صالح کے حقیقی تصور پر مفصل خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایمان اور عمل صالح اصل میں بندۂ مومن کی شخصیت کے دو رُخ ہیں۔ ایمان کا تعلق اُس کے باطن سے ہے جو نظر نہیں آتا اور عمل صالح کا تعلق اُس کے خارج سے ہے جو نظر آتا ہے۔ اس کے بعد جناب انجینئر عبداللہ اسمٰعیل نے اخلاقی برائیوں کے حوالے سے درس حدیث دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں غیبت، تکبر اور ظالم کی مدد سے اجتناب کرنا ہے، پھر یہ کہ غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پانا بھی ضروری ہے۔ کسی مومن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دوسروں کی مصیبت پر خوش ہو۔ اس کے بعد محمد نواز نے ''تربیت کی اہمیت'' پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی مکی زندگی صحابہؓ کی تربیت پر صرف کی۔ انہوں نے کہا جب تربیت مکمل ہوگئی تو پھر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

آخر میں جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن نے سورۂ نور کے آخری رکوع کی آیات پر مفصل درس قرآن دیا۔ مقامی تنظیم کا یہ اجتماع امیر حلقہ کے اختتامی کلمات اور مسنون دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ اس پروگرام میں 60 رفقاء اور احباب شریک ہوئے۔ سوا ایک بجے نماز ظہر ادا کی گئی، جس کے بعد شرکاء کو کھانا پیش کیا گیا۔ دو بجے رحمت اللہ بٹر نے جھنگ اور لیہ کے نقباء سے تفصیلی ملاقات کی جس میں انفرادی دعوتی مہم کا جائزہ لیا گیا۔ (رپورٹ ... ...بت اللہ)

بقیہ: اداریہ

پاکستان پیپلز پارٹی کی سیاسی حمایت کی تو اشد ضرورت ہے لیکن وہ بے نظیر کی شخصیت اور اُن کی عوامی پسندیدگی سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ وہ وزیر اعظم کی حیثیت سے کہیں انہیں صدر چوہدری فضل الٰہی نہ بنا دیں، لہٰذا بے نظیر کو خوف زدہ کر کے واپس جانے پر مجبور کر دیا جائے۔ حکومت کا بغیر کسی تحقیق کے فوری طور پر اس دہشت گردی کو خودکش حملہ قرار دے دینا بھی اُس کی پوزیشن کو مزید مشکوک بناتا ہے۔ حکومت کے اپنے ذرائع دعویٰ کرتے ہیں کہ دھماکہ خیز مواد 20 کلو سے زائد تھا۔ کیا کوئی خودکش حملہ آور اتنے وزن کے ساتھ بے دھڑک ایسے اجتماع میں گشت کر سکتا ہے جہاں ہزاروں حکومتی سیکیورٹی اہل کاروں کے علاوہ پیپلز پارٹی کے گارڈز بھی موجود تھے۔

کراچی میں دھماکہ وہاں کی بڑی سیاسی قوت کیوں کرانا چاہے گی اس حوالہ سے بھی کچھ دلائل ہیں۔ مقامی حکومت کے حالیہ انتخابات میں جس غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا گیا اُسے مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایم کیو ایم کراچی کو اپنی جاگیر سمجھتی ہے۔ اُن کی جاگیر میں کوئی غیر اتنی بڑی ریلی نکالتا ہے تو اُس کا مطلب ہے کہ ایم کیو ایم کی کراچی پر گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ ایک اور بات بڑی حیران کن ہے۔ کراچی میں کوئی بڑا اجتماع ہو، چاہے وہ تنظیم اہلسنت کرے یا چیف جسٹس ریلی نکالنا چاہیں تو دھماکے اور قتل و غارت ہو جاتا ہے، جبکہ ایم کیو ایم کی بڑی بڑی ریلیاں مکمل خیریت سے گزر جاتی ہیں۔

اسلامی عسکریت پسندوں کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایسی کارروائی نہیں کر سکتے۔ اگر یہ خودکش دھماکہ تھا تو یہ بات طے شدہ ہے کہ عسکریت پسندوں کا نشانہ بے نظیر بھٹو ہوگی، جو خطا گیا۔ کیونکہ بے نظیر بھٹو اُن کے دشمن امریکہ کی بڑی چہیتی ہیں اور وہ یہ کہہ چکی ہیں کہ وہ امریکی افواج کو قبائلی علاقوں میں کارروائی کرنے کی اجازت دے دیں گی۔ عین ممکن ہے کہ انہوں نے بش ڈاکٹرائن کے مطابق اپنے دشمن پر پیشگی حملہ کیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ طالبان وغیرہ نے یہ کارروائی کی ہوتی تو وہ برملا اعتراف کر لیتے جبکہ انہوں نے واضح تردید کی ہے۔ قصہ مختصر اس دور کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے۔ مشرف دور کو صحیح تر الفاظ میں خونی دور کہا جانا چاہیے۔ اِس دور پر ہی علامہ اقبال کا یہ مصرعہ صحیح معنوں میں منطبق ہوتا ہے۔ ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

یہودی خاص علامت

چھ کونوں والا ستارہ ✡

مسلمان اس کے استعمال سے اجتناب کریں

فرید اللہ خان مروت

چھ کونوں والا ستارہ ✡ یہود کی خاص علامت ہے۔ انٹرنیٹ کی ویب سائٹ (www.catholic.convert.com) پر ''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' (انگریزی) کے حوالے سے یہ تفصیل موجود ہے:

''موجن یا میجن ڈیوڈ (یہودی داؤدی ڈھال) جو یہودی نشان ہے، دو برابر تکونوں (مثلثوں) پر مشتمل ہے۔ یہ دو تکونیں مل کر چھ کونوں والا ستارہ بناتی ہیں، جسے ستارہ داؤدی بھی کہتے ہیں۔ یہ عبادت گاہوں، یہودی مقبروں کے کتبوں اور اسرائیل کے جھنڈے پر پایا جاتا ہے۔ سترھویں صدی ہجری کے بعد یہ یہودی اقوام کی سرکاری مہر اور یہودی ازم کا عام نشان بن گیا۔''

چھ کونوں والا یہودی ستارہ "میجن ڈیوڈ" جسے یہودی ادب میں ''داؤد کی ڈھال'' سے یاد کیا جاتا ہے، اسے ہیکزاگرام (مسدس) اور کبھی کبھی مہر سلیمانی بھی کہتے ہیں۔ آج ستارہ داؤدی یہودی عوام کا سب سے مقبول اور عالمی مسلّم نشان ہے۔ ''ستارہ نجات'' کے عنوان پر فرانز روسنز ووگ (Franz Rosenz Woig) کی تحریروں میں ''فلسفہ یہودیت'' یہودی ستارہ کے گرد گھومتا ہے، جو دو مثلثوں پر مشتمل ہے۔ ایک سیدھی اور ایک الٹی اور یہ دو مثلثیں مل کر یہودی عقیدہ ''خدا، وحی اور نجات۔ خدا، اسرائیل اور دنیا'' کی بنیادی نشاندہی کرتی ہیں۔

تمام یہودی اس ستارے کا استعمال جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور صدیوں سے یہ خوش قسمتی کے ساحرانہ تعویذ اور یہودی شناختی نشان کے طور پر استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ چھ کونوں والا ستارہ یہود کی مذہبی علامت اور یہودی ازم کا نظریاتی نشان ہے۔ اسی وجہ سے اسے یہود کی مذہبی و نظریاتی ریاست ''اسرائیل'' کے جھنڈے میں شامل کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس مخصوص مسدس ستارے کے کسی بھی طرح کے استعمال سے اجتناب کریں۔ جس چیز پر بھی یہ ستارہ بنا ہوا ہو، اسے استعمال نہ کریں یا ستارہ مٹا دیں۔ کیونکہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت اور ان کے باطل دمن گھڑت نظریہ کی ترویج و اشاعت ہے جبکہ مسلمانوں پر کفار و مشرکین کے باطل عقائد و نظریات کی مخالفت واجب ہے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر حدیث نبویؐ میں انہی کے ساتھ حشر ہونے کی وعید شدید وارد ہے۔

اس کے علاوہ آٹھ کونوں والے ستارے ✡ کی یہود کے ہاں کوئی مذہبی یا نظریاتی حیثیت نہیں۔ اس لئے آٹھ کونوں والے ستارے کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔

تصحیح

ندائے خلافت کے خصوصی شمارہ دعوت دین نمبر میں اداریہ مرزا ندیم بیگ نے لکھا تھا لیکن سہواً مرزا ایوب بیگ کا نام لکھا گیا۔ اس سہو پر ادارہ مرزا ندیم بیگ سے معذرت خواہ ہے۔

بنگلہ دیش بمقابلہ پاکستان

ماضی میں جو پاکستانی سیاست دان رشوت ستانی میں ''درجہ اوّل'' پر فائز رہے ہیں، انہیں سرکاری طور پر اب ''پاک'' کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف بنگلہ دیشی حکومت چن چن کر رشوت خور سیاست دانوں کو پکڑ رہی ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اب تک 219 بنگلہ دیشی سیاست دان جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ چکے ہیں۔ ان میں سات سابق وزیر، بارہ سابق ارکان اسمبلی اور پانچ امیر صنعت کار شامل ہیں۔ عدالتوں کے حکم سے ان کی 1.3 ارب ٹکا کی جائیداد ضبط ہو چکی ہے۔

ان سزا یافتہ 219 کے علاوہ 115 سیاسی رہنماؤں پر مختلف مقدمے چل رہے ہیں۔ ان میں شیخ حسینہ واجد اور خالدہ ضیا سابق وزرائے اعظم بھی شامل ہیں۔ بنگلہ دیش میں فوج نے سیاست کو بے ایمانی سے پاک کرنے کی قسم کھالی ہے۔ کاش! پاکستان میں بھی ایسا ہو سکتا۔ موجودہ حکومت نے زبانی کلامی دعوے تو بہت کیے تھے لیکن بہت کم مرتشی سیاسی رہنماؤں کو ہی سزا مل سکی۔ اب تو آرڈیننس جاری کر کے عالمی سطح پر شہرت یافتہ رشوت خور کرپٹ سیاست دانوں کو معاف کیا جا رہا ہے۔

حلال ویکسین کی تیاری

ملائیشین حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ کیوبا کے تعاون سے اگلے دو برس میں گردن توڑ بخار کی حلال ویکسین تیار کر لے گی۔ اس سلسلے میں دس لاکھ ڈالر مختص کر دیے گئے ہیں۔ یاد رہے حج کے موقع پر ہزاروں مسلمان اس مرض کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ فی الوقت گردن توڑ بخار کی زیادہ تر ویکسین سور کی چربی سے تیار کی جاتی ہیں جو اسلام میں حرام ہے۔ ملائیشیا اس وقت حلال مصنوعات کی دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کی سالانہ مالیت 580 ارب ڈالر بتائی جاتی ہے۔

کردوں پر ترکی کا حملہ

پچھلے دنوں ترک پارلیمنٹ نے اپنی فوج کو یہ اجازت دے دی کہ وہ عراق میں کرد ورکرز پارٹی کے کارکنوں پر حملے کر سکتی ہے۔ اس کے فوراً بعد عراق، ترکی سرحد پر ایک جھڑپ میں ترک فوجی اور کرد گوریلے ہلاک ہو گئے۔ امریکا کے نزدیک یہ صورت حال تشویش ناک ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ عراقی کرد علاقے میں ترکوں کے حملے سے تیل کی فراہمی رک سکتی ہے۔ یاد رہے، عراق میں تیل کے زیادہ تر کنوئیں عراقی کردستان ہی میں واقع ہیں۔ تاہم ترک وزیر اعظم نے امریکی خدشات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ کردوں پر حملے ضرور کیے جائیں گے۔

ایران طالبان کو اسلحہ نہیں دے رہا

افغانستان کے وزیر خارجہ رنگین دادفر نے کہا ہے ''اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ ایران طالبان کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایران ہمارا برادر ملک ہے اور وہ کبھی افغانستان میں بے چینی نہیں دیکھنا چاہے گا۔'' یاد رہے پچھلے ہفتے افغانستان میں نیٹو کے کمانڈر نے دعویٰ کیا تھا کہ ایسے ہائی ٹیک بم پکڑے گئے ہیں جو ایرانی ساختہ ہیں۔

عراق کی تقسیم نہیں ہونی چاہیے

شام کے صدر بشار الاسد نے خبردار کیا ہے کہ اگر عراق کو زبردستی تقسیم کرنے کی کوششیں ہوئیں، تو مشرق وسطی ایک بار پھر خون میں نہا جائے گا۔ انہوں نے کہا ''عراق کا بٹوارہ ایسا بم ہے جو مشرق وسطی کو اڑا کر رکھ دے گا۔''

یاد رہے، شام اور ترکی ان کردوں کے مخالف ہیں جو عراق کو شیعہ اور سنی عراق اور کردستان میں بدلنا چاہتے ہیں۔ دراصل انہیں خطرہ ہے کہ اس طرح ان کے ممالک میں آباد کرد بھی علیحدگی کی تحریک چلا سکتے ہیں۔

کرغزستان کی پارلیمنٹ کی تحلیل

کرغزستان کے صدر قربان علی باخیوف نے پارلیمنٹ کو تحلیل کر کے ملک میں رواں سال کے آخر میں پارلیمانی انتخابات کرانے کا اعلان کیا ہے۔ صدر کے ترجمان کے مطابق نئے آئین پر ریفرنڈم کے بعد 16 دسمبر کو ملک میں پارلیمانی انتخابات ہوں گے، جس کے بعد نئی پارلیمنٹ وجود میں آئے گی۔

ایران پر حملہ نہ کرنا

پچھلے ہفتے روس کے صدر ولادیمیر پوٹن نے ایران کا دورہ کیا۔ وہ جنگ عظیم دوم کے بعد ایران کا دورہ کرنے والے پہلے روسی صدر ہیں۔ دورے کے دوران انہوں نے امریکا اور اس کے حواریوں کو خبردار کیا کہ وہ ایران کی طرف میلی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں۔ یاد رہے ایران روس کی مدد سے اپنے ایٹمی بجلی گھر تیار کر رہے ہیں۔ امریکا کا دعویٰ ہے کہ ان بجلی گھروں میں ایٹم بم کے قابل مواد تیار کیا جائے گا۔

اسرائیل کی یہودی آبادی بڑھاؤ

اسرائیلی وزیر اعظم یہود اولمرٹ نے پوری دنیا میں بکھرے یہودیوں پر زور دیا ہے کہ وہ اسرائیل آ کر آباد ہوں تاکہ اس واحد یہودی ریاست میں ان کی آبادی بڑھ سکے۔ یاد رہے جب سے حزب اللہ نے اسرائیلی فوج کو شکست دی ہے، کئی یہودی اسرائیل چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ دوسری طرف عرب (مسلمان) اسرائیلیوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے کیونکہ ان کی شرح پیدائش یہود سے زیادہ ہے۔ اسرائیلی حکومت کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی آبادی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو اس صدی کے اختتام تک اسرائیل میں ان کی اکثریت ہو جائے گی۔

ضرورت رشتہ

☆ صوم وصلوٰۃ کے پابند 28 سالہ برسر روزگار بیٹے، تعلیم ایم، ایس، میکینیکل انجینئر کے لئے باپردہ، دیندار لیڈی ڈاکٹر کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0333-5438030

☆ شیخوپورہ کی رہائشی راسخ العقیدہ مذہبی گھرانے کی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایف اے، چار سالہ ہومیو ڈاکٹر کورس، کے لئے شریف خاندان کے برسر روزگار نوجوان کا رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: پروفیسر داؤد احمد: 0300-9401048

☆ لاہور میں مقیم راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی عمر 24 سال، ایم اے اسلامیات سیکنڈ پارٹ اور لڑکا عمر 28 سال، انڈر میٹرک، اسلام آباد میں سرکاری ملازم کے لئے مناسب رشتے مطلوب ہیں۔ برائے رابطہ: 042-5140703

☆ لاہور کی رہائشی، 24 سالہ دوشیزہ، ایم ایس سی (ہوم اکنامکس) حجاب اور صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لئے دینی مزاج کے حامل ہم پلہ لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ والدین یا سرپرست رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0333-4382405

☆ ساہیوال کی رہائشی کمبوہ فیملی کی 19 سالہ گریجوایٹ مطلقہ بچی کے لئے دینی مزاج کا ہم پلہ رشتہ مطلوب ہے۔ ذات برادری کی قید نہیں ہے۔
برائے رابطہ: 0321-6918258 0321-6927689

☆ لڑکا عمر 35 سال، لودھی پٹھان، اہل سنت، تعلیم B.Com.ACMA کینیڈا کا نیشنیلٹی ہولڈر، برسر روزگار، دوسری شادی کے لئے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے، لڑکی انگریزی بول چال جانتی ہو۔ برائے رابطہ: 042-5301057

The General told the world that Benazir and Nawaz were " the heads of two significant political parties - the Pakistan people's Party (PPP)) and the Pakistan Muslim League (PML-N). And because these parties were run like dynasties. candidates who could pro-vide alternative leadership were none existent or mere pygmies. It did not appear practicable to maintain those parties alone. Something more had to be done."[page 165]. What more did the General do after eight years in power: made a deal with the same dynasty of the PPP? Is this all he could do to save Pakistan after eight years in power?

Remember how proudly Musharraf was telling us that when he took power, he knew that freedom was "needed to be spread to everyone." However that needed "a system that could produce true democracy." He elaborated on page 164-65 that to ensure such a system: "Former prime ministers Nawaz Sharif and Benazir Bhutto, who had twice been tried, been tested, and failed, had to be denied a third chance. They had misgoverned the nation. Further-more, they would never allow their parties to develop a democratic tra-dition, as was clear from the fact that neither Benazir Bhutto's nor Nawaz Sharif's had held internal elections. In fact, Benazir became her party's 'chairperson for life' in the tradition of the old African dictators! For both individuals, legal cases were pushing against them. All I had to do was make clear that the charges would not be dropped. Benazir Bhutto had already run away from the country and absconded from the law during Nawaz Sharif's regime."

So, here we go. Today he drops all charges against Benazir Bhutto. Moreover, to shut mouths of other criminals, he had to grant across the board amnesty - a nose dive from 'across the board accountability" to blanket amnesty as if all the criminal charges were related to plundering Musharraf's personal property, which he could pardon anytime he wanted. Was he lying when he said he had made sure that the "charges would not be dropped"?

Besides all that, isn't he reviving what he called 'the tradition of the old African dictators"? On page 169 of his book, Musharraf is on the record to have stated: "We established a rule that no one could be president or prime min-ister more than twice, whether the terms were consecutive or not and whether either term had been fully served or not. Many people thought this law has been brought in to prevent Nawaz Sharif or Benazir Bhutto from ever becoming prime minister again. This is partially true, although their crimes should disqualify them in any event. But above all the new rule was enacted to encourage new blood to compete ..."

Did Musharraf forget all these statements and Banazir's crimes when he was out there to make a "power-sharing" deal with Benazir? Or, is it that he was lying in the first place? Or, that he doesn't care if says one thing and does another?

Musharraf was right in his analysis, statements and promises. However, his deeds prove him to be part of the same corrupt league. The story in today's newspapers about Musharraf being one of the 499 owners whose farmhouse spread over 2500 acres of land worth Rs 75 billion in the suburbs of Islamabad simply confirms this conclusion.

Other than those who have some personal or global totalitarian axe to grind, with this proven track record of glaring contradictions and brazen lies no one can trust General Musharraf anymore.

Abid Ullah Jan edits www.icssa.org and www.dictatorshipwatch.com. He is a political analyst and author of seven books on international affairs.

Thank you

So, let me get this straight:

You tear my veil to free me

You jail me to rid me of my terror

You kill my beloved to liberate me

You shoot my baby to erase my misery

You starve me to show me how to vote

You threaten me to bring me to my senses

You wage war on me to help me find peace

You slay my people to teach me compassion

You humiliate me to aid me live with dignity

You insult me to illustrate freedom of speech

You crush my bones to save me from my evil

You demolish my home to elevate my morality

You uproot my tree to raise my ethical standard

You steal my resources to bring me social justice

You assassinate my leaders to bring me security

You bomb my town to train me into democracy

You destroy my history to educate me about progress

You dehumanise me to coach me into humanity

You wipe me out to push me to civilisation

You scorn my faith to bring me salvation

Thank you sir

How can I -ever- pay you back?

Homepage

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No.39
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

ABID ULLAH JAN

Mush was right. But who can trust him anymore?

After the October 12, 1999 coup, I for one, fully supported General Musharraf against the onslaught of the Commonwealth and the US administration, who made clear that they cannot do "business as usual" with a dictator. The reason for supporting the General was obvious: the determination he showed to clean the Augean stables.

Fast forward from 1999's promise of "across the board" accountability to the deal with Benazir Bhutto and the so-presented National Reconciliation Ordinance (NRO) of October 2007, and we see the same General making a U-turn on all that he said, promised and felt proud of.

The love for power, the feeling of indispensability or opportunism to some extent is understandable. However, what makes one lose complete trust in General Musharraf is what he not only said time and again but also wrote down in his book to make it part of history and his legacy. Dictation by practical or prudent motives is one thing, but going against one's eight years' record of consistent statements, a show of determination to root out corruption and combat the forces of instability is quite another.

Even if we limit ourselves to General Musharraf's book alone, still there is plenty to show us the true character of the General for which no justification holds ground.

Starting on page 78, Musharraf writes in his memoir, In the Line of Fire: "The four changes of prime minister involved two cycles of alteration between Benazir Bhutto and Nawaz Sharif. Never in the history of Pakistan had we seen such a combination of the worst kind of governance – or rather, a nearly total lack of governance – along with corruption and the plunder of national wealth."

Let us assume that before making a deal with Benazir, Musharraf had somehow guaranteed that the twice tested Benazir won't get involved in corruption and plunder of national wealth anymore. The question that arises is of the basic human rights. We know the country is comprised of two main classes: the feudal lords and elites and the masses. However, aren't the deal and the NRO officially confirming that Pakistanis are not equal citizens any more.

On page 185 of his book, General Musharraf told the world: "In the area of economic governance our main endeavor was to level the playing field and close loopholes that favored a select, privileged few. A transparent, uniform across the b-oard system replaced the ad hoc system of regulations, which dominated our decision mak-ing in the 1990s. Accountability mechanisms were strengthened, and people found guilty of corruption were taken to task irrespective of their status and connections. This deterrent effect has reduced corrup-tion at the higher levels of policy makers."

Where did across the board system go? Musharraf told a private TV on October 10 that NRO was not meant for the entire Pakistan otherwise matter would worsen. What does that mean. It shows he was either lying, or was not sincere when he said, "accountability mechanisms were strengthened, and people found guilty of corruption were taken to task irrespective of their status and connections."

Everyone knows that People's Party's manifesto has not changed. Benazir is still the chairperson for life. And the party remains what Musharraf described as a 'family cult." What national interests lead Musharraf to change his mind? In displaying his contempt for PPP and Benazir, Musharraf went to the extent of calling them fascist. He wrote: "The People's Party has always claimed the progressive and liberal ground. If this claim was taken at face value, it was the logical first choice for the coalition. It was a good opportunity for them to demon-strate that they were truly liberal and not just a family cult that practices fascism rather than liberal democracy, as when this party was in power in the 1970s. But all efforts by the PML(Q) to work with them failed, for the sole reason that Benazir Bhutto would not countenance anyone else from her party becoming prime minister. She treats the party and the office like a family property.[page 175]

Has the PPP transformed overnight from a "family cult" that practiced "fascism" to a party that will promote democracy in Pakistan? Or, is it the General who actually changed his mind and embraced the same cult and its fascist ways? Or, is-it so that he was not telling the truth in the first place? Since PPP is what PPP was, it leaves us to look for answer in the later two possibilities.